بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحن قسمنا بینہم معیشتہم

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ہم نے تمہارے لوگوں کے درمیان روزی تقسیم کر دی ہے)

سرمایہ داری سوشلزم

اور

اسلام

از

شیخ الاسلام محقق العصر حضرت علامہ سید شمس الحق افغانی

نور اللہ مرقدہ

سابق شیخ التفسیر والفلسفہ (دیوبند)

سابق وزیر معارف الشرعیہ (قلات)

سابق رئیس الجامعۃ الاسلامیہ (بہاولپور)

سابق رکن اسلامی نظریاتی کونسل (پاکستان)

مکتبہ سید شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

شاہی بازار ، بہاولپور

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب — سرمایہ داری، سوشلزم اور اسلام

افادات — حضرت علامہ سید شمس الحق افغانیؒ

ناشر — مکتبہ سید شمس الحق افغانیؒ

بار — سوم

مطبع

مصنف کتاب

نام و نسب حضرت الاستاذ علامہ سید شمس الحق افغانی سید جلال الدین حیدرؒ کی اولاد سے ہیں جن کا سلسلہ جلیل اعجاز الحق قدوسی کی کتاب صوفیاء پنجاب صفحہ ۵۰۹ پر درج ہے۔ نسب یہ ہے۔ شمس الحق ابن غلام حیدر ابن خان عالم ابن سعداللہؒ۔ آپ کے والد مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے شاگرد اور دادا سید احمد بریلوی شہیدؒ کے خلیفہ تھے۔ سرحد و افغانستان میں نفاذ شریعت کے ضمن میں جن مشاہیر کا نام درج ہے ان میں آپ کے دادا کا نام بھی ہے۔ دیکھیں سیرت احمد شہید (غلام رسول مہر)

ولادت آپ ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۰۱ء کو بمقام تصبہ ترنگ زئی تحصیل چارسدہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔

تحصیل علم پہلے پہل اپنے والد ماجد مولانا غلام حیدرؒ سے ابتدائی و متوسط کتب علمیہ کی تعلیم حاصل کی۔ بازاں بعد سرحد و افغانستان کے مشاہیر علماء سے تمام علوم و فنون نقلیہ و عقلیہ کی تکمیل فرمائی۔ ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں منبع علوم و معارف دارالعلوم دیوبند میں امام العصر حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری نوراللہ مرقدہ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند تکمیل حاصل کی۔ ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے۔ حج کے بعد دس ماہ حجاز مقدس میں قیام فرمایا اور مختلف کتب خانوں سے جو اہم علم حاصل کئے۔

تدریس آپ ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۳ء سے لیکر ۱۳۵۵ھ تک مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی، ارشاد العلوم ضلع ڈیرہ غازی خان سندھ، قاسم العلوم لاہور، دارالرشاد پیر جھنڈو ضلع نواب شاہ سندھ، دارالفیوض ہاشمیہ سجاول سندھ میں بحیثیت صدرالمدرسین تشنگان علم کو سیراب کیا۔ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت شیخ التفسیر علوم قرآنی کی اشاعت کی۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیلایا۔ سنہ مطابق ۱۹۳۹ء سے سنہ مطابق ۱۹۴۲ء تک اور سنہ مطابق ۱۹۴۷ء سے سنہ مطابق ۱۹۵۵ء تک کل دس سال سات ماہ ریاست قلات کے وزیر معارف شرعیہ بھی رہے۔ سنہ مطابق سنہ میں اکیڈمی علوم اسلامیہ کراچی کے صدر مدرس مقرر ہوئے جسے بعد میں جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں تبدیل کر دیا گیا۔ وہاں آپ اب تک بحیثیت شیخ التفسیر اشاعت دین فرما رہے ہیں۔

تبلیغ و مناظرہ تدریسی خدمات کے علاوہ آپ نے وعظ و تقریر اور مناظروں کے ذریعہ ہر دو ملل

طاغوتی تحریک کی بھی اللہ تعالیٰ نے بیخ کنی کی خصوصاً ۱۹۲۶ء میں شردھانند کی تحریک ارتداد کے انسداد کے لئے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے آپ کو بمع دیگر علماء بھیجا گیا، آپ نے متعدد مناظروں میں اس تحریک کے سرکردہ پنڈتوں کو شکست فاش دی جس کی بناء پر کثیر التعداد ہندو حلقہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

بیعت و ارشاد آپ کو صوفیائے کرام کے سلسلۂ اربعہ میں سے تین سلاسل علیہ میں بیعت و ارشاد کی اجازت حاصل ہے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ جو حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہے، میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا غلام حیدر سے خلافت حاصل کی۔ حضرت بہاؤالدین نقشبند سے وابستہ سلسلہ نقشبندیہ میں حج بیت اللہ کے دوران حضرت مولانا علاؤالدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے اور اجازت بیعت حاصل فرمائی۔

حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب سلسلہ عالیہ چشتیہ کی اجازت از طریقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے واسطے ارکے حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے مجاز بیعت ہوئے۔ آپ علوم شریعت کی اشاعت کے علاوہ طالبان طریقت کو بھی فیضیاب کر رہے ہیں منجملہ میں

مبشرات غیبیہ حضرت کو بارہا بشارات سے نوازا گیا جن میں سے چند مبشرات یہ ذیل ہیں (۱) جب آپ کو شدھی کی تحریک ارتداد کے مقابلے کیلئے دارالعلوم دیوبند کی طرف سے بھیجا گیا تو چونکہ یہ نوعمری کا ابتدائی دور تھا اس لئے کچھ پریشانی لاحق ہوئی۔ خواب دیکھا کہ ایک مسجد الحاق ہے جس کے منبر کے پاس بزرگ بیٹھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ شخص کون ہے؟ کہا کہ مجھے اٹھا کر منبر پر بٹھا دو۔ آپ نے کوشش کی کہ وہ بوڑھے آدمی کمزوری کے باوجود نہ اٹھ سکے جائے۔ آخر بسم اللہ پڑھ کر انہیں اٹھایا اور بدقت تمام منبر پر بٹھا دیا۔ ان سے نام پوچھا تو انہوں نے محمد قاسم بتلایا۔ یہ خواب لکھ کر دیوبند بھیجا تو جواب آیا کہ آپ کو کامیابی کی بشارت ہے۔ وہ بزرگ حضرت محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے اور دراصل وہ بیٹھے تھے کہ اس کا اصل حل تھا۔ آپ نے اٹھایا تو معلوم ہوا کہ انشاء اللہ آپ کو نصیب ہوگا۔ (۲) اسی سلسلہ میں کچھ عرصہ بعد دوسری بشارت ملی۔ دیکھا کہ ایک بزرگ کے ہمراہ ہندو کے جارہے ہیں۔ اس بزرگ نے ایک قبر کی طرف اشارہ کرکے کہا دیکھو یہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے۔ آگے گئے تو لوگوں کی بھیڑ دکھائی دی جس کی وجہ دریافت کی۔ پتہ چلا کہ آج امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ہے۔ انکی تقریر سے مستفید ہونے کی خاطر بیٹھ گئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ منبر پر بیٹھے اور مجمع کو چیر کر آپ کے پاس آئے۔ آپکا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تقریر کرو۔ حضرت نے عرض کیا کہ اول آپ تقریر کریں مجھے شرم آتی ہے آپ کے سامنے تقریر کرنا سوئے ادب ہے۔ فرمایا نہیں تقریر کرنی ہوگی۔ تعمیل حکم کی غرض سے منبر پر بیٹھ گئے لیکن ابھی بات شروع ہوئی مجمع منتشر ہوگیا، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی غائب ہوگئے۔

یہ خواب بھی لکھ کر دیوبند بھیجا گیا۔ جواب ملا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی مسند پیش کرنا دلیل ہے کہ

علم کا ورثہ بھی نصیب ہوگا۔ یہ بھی کامیابی کی بشارت ہے۔ (۳) وزارت کے زمانہ میں آپ کراچی میں مقیم تھے تبلیغی جماعت والے حاضر ہوئے اور ہدایات کیلئے تقریر کی درخواست کی۔ آپ کو بخار اور نزلہ کی شکایت تھی لیکن ان کے لئے تشریف لے گئے۔ بعد عصر تقریر کی۔ رات کو سوئے تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف اٹھا کر لے گئے۔ وہ بزرگ مختلف مکانات وغیرہ دکھاتے رہے اور کہا یہ جنتیوں کے گھر ہیں۔ صبح صادق تک جنت کی سیر ہوتی رہی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ اس سے یقین زیادہ مضبوط ہوگیا ہے کہ تبلیغی جماعت کا راستہ مقبول اور موجب دخول جنت ہے۔

احقر لطافت الرحمٰن سواتی افغانی
استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ
بہاولپور

فہرست

شمار	عنوان	صفحہ
۱۔	پیش لفظ	۱۱
۲۔	تمہید	۱۲
۳۔	سرمایہ دارانہ نظام کے تعلیمات و مقاصد	۱۳
	(۱) ماکولات	״
	(۲) مشروبات	״
	(۳) ملبوسات وغیرہ	۱۴
	(۴) مسکن اور غیر فطری ذرائع معاش	״
	(۵) قمار بازی اور سگریٹ نوشی	״
	(۶) ملک گیری اور استعمار	۱۴
	(۷) آلات حرب کی تیاری بغیر ضرورت	۱۵
	(۸) سرمایہ دارانہ جذبہ اور سود۔	״
۴۔	سرمایہ دارانہ نظام کی دینی تباہیاں۔	۱۶
	(۱) زوال محبت الٰہیہ۔	״
	(۲) زوال محبت انسانیہ۔	״
۵۔	سرمایہ دارانہ نظام کی اخلاقی تباہیاں۔	۱۷
	(۱) ایثار۔	״
	(۲) شفقت و رحمت اور سرمایہ داری۔	۱۸
	(۳) ہمدردی اور خیر خواہی۔	״
	(۴) شجاعت اور سرمایہ داری۔	״
۶۔	سرمایہ داری نظام کی اقتصادی تباہیاں۔	۱۹
	(۱) پہلا اقتصادی نقصان	״
	(۲) دوسرا اقتصادی نقصان	۲۰
	تیسرا ״ ״	۲۱
۷۔	سرمایہ داری کا سیاسی نقصان	״
	پہلا سیاسی نقصان	״
	دوسرا ״ ״	۲۲
	تیسرا ״ ״	״
	چوتھا ״ ״	۲۳
	(شراب۔ سگریٹ۔ زنا۔ قزاقی اور	״
	اغلام۔ چوری)	۲۴
۸۔	سرمایہ دارانہ نظام اور بے اطمینانی	״
۹۔	سرمایہ دارانہ نظام کا اصل سرچشمہ یہودی ہیں	۲۵
۱۰۔	سرمایہ دار ممالک کے عوام غریب ہیں	״
۱۱۔	انگلستان نے اشتراکیت کو جنم دیا	۲۶
۱۲۔	سرمایہ داری کی طرح کمیونزم کے بانی بھی	۲۷
	یہودی ہیں۔	״
۱۳۔	عیسائی توحید اور پولوس یہودی	״
۱۴۔	اشتراکی نظام	״
	کمیونزم کا تاریخی پس منظر	״
۱۵۔	روسی سلطنت	۲۸
۱۶۔	صنعتی انقلاب	״
۱۷۔	کارل مارکس	۲۹
۱۸۔	کمیونزم کی تباہیاں	۳۰

شمار	عنوان	صفحہ
	خون ریزی۔	۳۰
	(۲) معاشی تباہی۔	″
۱۹۔	معاشی ترقی میں رکاوٹ۔	۳۱
۲۰۔	کمیونزم معاشی ترقی کے خلاف ہے۔	″
۲۱۔	کمیونزم شرف انسانیت کا قاتل ہے	۳۲
۲۲۔	کمیونزم فطرت انسانی کے خلاف جنگ ہے۔	۳۴
۲۳۔	اشتراکیت انسانی اخوت کے خلاف جنگ ہے۔	۳۴
۲۴۔	سوشلزم مذہب اور اخلاق کے آئینے میں۔	″
۲۵۔	سوشلزم مزدور اور کاشتکار نوازی کے آئینے میں۔	۳۶
۲۶۔	سوشلزم کا مزدور۔	″
۲۷۔	سوشلزم مساوات کے آئینے میں۔	۳۷
۲۸۔	انسانی حریت اور سوشلزم۔	۳۸
۲۹۔	اشتراکیت کی اشاعت نتیجہ تشدد ہے کہ نتیجہ صداقت۔	۴۰
	(۱) غریبوں پر تشدد	″
	(۲) زمینداروں پر تشدد۔	۴۱
	(۳) دینی عقیدہ پر تشدد۔	″
۳۰۔	مغربی یا مشرقی بلاک میں ادغام موت ہے۔	۴۳
۳۱۔	کمیونزم نظام کے مسلط کرنے کا طریقہ۔	۴۴

شمار	عنوان	صفحہ
	(خدا، مذہب، اخلاق، شخصی ملکیت اور آزادی، عصمت) ان پانچ امور کی بیخ کنی۔	۴۴ تا ۴۶
۳۲۔	ازالۂ شبہ۔	۴۷
۳۳۔	اشتراکی نظام اور فطرت۔	۴۹
۳۴۔	اختصاص فطری کے خلاف جنگ۔	″
۳۵۔	شخصی آزادی کے خلاف جنگ۔	۵۰
۳۶۔	انسانی معاشرے کی تنظیم حاجت باہمی پر مبنی ہے اشتراکیت اس کے خلاف جنگ ہے۔	″
۳۷۔	اشتراکیت انسانی اخلاق فاضلہ کے خلاف جنگ ہے۔	″
۳۸۔	اشتراکیت انسان کے فطری تفاوت کے خلاف جنگ ہے۔	۵۱
۳۹۔	اشتراکیت میلان الی اللہ کے خلاف جنگ ہے	″
۴۰۔	اشتراکیت کے بنیادی افکار پر تنقید۔	″
	(۱) فکر، تنقید	″
	(۲) فکر، تنقید	۵۲
	(۳) فکر، تنقید	۵۴
	(۴) فکر، تنقید	۵۵
	(۵) فکر، تنقید	۵۹
۴۱۔	دور حاضر کے افکار کی بنیادی غلطی	۶۱

شمار	عنوان	صفحہ
۴۲۔	عقل و علم کا دائرہ [illegible] کا تعین	۶۱
۴۳۔	بے چینی۔	۶۲
۴۴۔	انقلاب۔	۶۲
۴۵۔	بے چینی کی مثال۔	″
۴۶۔	مادیات۔	۶۴
۴۷۔	مادہ قدیم فلاسفہ کی نظر میں۔	″
۴۸۔	مادہ جدید فلاسفہ کی نظر میں۔	۶۵
۴۹۔	نیست سے ہست ہونا۔	۶۶
۵۰۔	عالم انسان سے متعلق علوم۔	۶۷
۵۱۔	اعتراض اور اس کا جواب۔	۶۹
۵۲۔	عورت اور مغرب۔	۷۰
۵۳۔	لواطت۔	۷۱
۵۴۔	عقلیت جدیدہ اور ماوراء الطبیعیات	۷۲
	(الف) مبداء عالم۔	″
	(ب) منتہی انسان۔	۷۳
۵۵۔	روحانیات۔	۷۳
۵۶۔	لامارک کا نظریۂ ارتقاء اور چند دلائل سے اس کی تردید۔	۷۴
۵۷۔	ڈاروِن کا نظریہ۔	۷۵
۵۸۔	نظریۂ ڈاروِن کی تردید۔	۷۶
۵۹۔	ڈاروِن کا نظریہ جبر ہے۔	۷۷
۶۰۔	تمدنی مسائل کے حل میں انسانی فکر کی حماقت۔	۷۸
۶۱۔	ماوراء الطبیعیات اور نہایت لطیف	۷۹

شمار	عنوان	صفحہ
	حقائق کے متعلق فکر جدید کی نارسائی۔	
۶۲۔	عقل کی راہنمائی کے لئے وحی کی ضرورت۔	۸۰
۶۳۔	اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام پر اصولی سیاسی نظر۔	۸۱
۶۴۔	اسلامی معاشی نظام کی اعتدالیت فطرت	۸۳
۶۵۔	اور فطرت انسانیہ کو اپنی حالت پر قائم رکھنا اور اشتراکی بے اعتدالی کی تردید۔	۸۴
۶۶۔	سرمایہ دارانہ بے اعتدالی کی تردید اور امراء و غرباء دونوں کے حقوق کی حفاظت	۸۵
۶۷۔	اسلام نے اپنے معاشی نظام میں کنز اندوزی اور اشتراکی معاشی نظاموں کی خامیوں کا ازالہ کیا۔	″
۶۸۔	قرآن کا تواتر لفظی و معنوی۔	۸۷
۶۹۔	حریت منکری نہیں۔	۸۷
۷۰۔	مسلم اور حربی عہد رسول میں جواز ربوا نہیں بلکہ عدم وجود ربوا ہے۔	۸۸
۷۱۔	اسلام نے کنز اندوزی اور احتکار یعنی ذخیرہ اندوزی اور وسائل رزق پر ایک طبقہ کا قبضہ ختم کیا اور اشتراکیت کے خلاف شخصی حریت کو برقرار رکھا۔	۸۸
۷۲۔	حکمت تفاوت حال۔	۸۹
	(۱) حاجت لباس۔	″

شمار	عنوان	صفحہ
	(ب) مسکن کی حاجت	۹۰
۷۳	انسان کی مالی اور معاشی زندگی کے تفاوت کا اصل سبب فطری	۹۱
۷۴	جوش عمل کیلئے حریت کی ضرورت	۹۲
۷۵	حرکت دولت۔	۹۲
	۱۔ حرکت مادہ حیات معادن باطنہ وظاہرہ۔	۹۲
	۲۔ قانون عشر ۱۰٪	۹۳
	۳۔ قانون نصف عشر ۲۰٪	"
	۴۔ قانون ربع العشر ۲٫۵٪	۹۴
	۵۔ قانون فیٔ وغنیمت۔	۹۴
	۶۔ قانون نذر و کفارات۔	۹۵
	۷۔ تصدق بالمال الحرام۔	"
	۸۔ لقطات لاوارث مال۔	"
	۹۔ احیاء موات	"
	۱۰۔ خمس الرکاز	"
	۱۱۔ خراج اور عشور	"
۷۶	قانون استحبابی فقر نوازی حس اخلاق کے ذریعہ تحسین عدوانی کے ذریعہ۔	۹۶
۷۷	ابن حزمؒ ضرورت کے وقت اغنیاء کے اموال کو فقراء پر برابر تقسیم کرنا لازمی قرار دیتے ہیں اور اسپر اجماع صحابہ نقل کرتے ہیں۔	"
۷۸	قانونی مساوات اور شاہ و گدا کی برابری۔	۹۸
۷۹	اسلامی معاشی نظام میں اشیاء مشترکہ	۹۸
۸۰	مرافق بلد	۹۹
۸۱	فضاء عامہ مشترک ملکیت ہے	"
۸۲	معادن ظاہرہ عوام کی ملکیت ہے۔	"
۸۳	خراج اور مال گذاری میں عوام کا حق	۱۰۰
۸۴	اوانی کفایت۔	"
۸۵	غیر مسلم محتاج رعیت بھی بیت المال سے روزینہ کی مستحق ہے۔	"
۸۶	معاشیات اسلام کا تفصیلی نظام	"
۸۷	اسلام کا ہمہ جہتی معاشی حل۔	۱۰۱
۸۸	اجتماعیت	"
۸۹	انسان کا روحانی پہلو۔	۱۰۳
۹۰	انسان کا نفسیاتی پہلو۔	۱۰۳
۹۱	انسان کا کائناتی پہلو۔	۱۰۴
۹۲	انسان کا الٰہی پہلو۔	۱۰۶
۹۳	اتفاقی تحدید۔	۱۰۷
۹۴	تقسیم دولت۔	۱۰۸
۹۵	اسلام کا معاشی نظام مملکت اسلامی کے محتاج افراد کی ضروریات زندگی کا ذمہ دار ہے۔	۱۰۹
۹۶	ذمہ داری ضروریات حیات۔	۱۱۰
۹۷	غیر شرعی جاگیریں چھینی جاسکتی ہیں۔	۱۱۱
۹۸	زائد از ضرورت زمین رکھنے والے زمینداروں کو رضاکارانہ حکم کہ وہ زائد	۱۱۲

شمار	عنوان	صفحہ
	زمین بے زمین مسلمانوں کو دیدیں۔	
۹۹	مغربی الحاد و تہذیب کا فتنہ اسلامی ممالک میں فوائد کا خاتمہ	۱۱۲
	۱۔ ترکی	"
	۲۔ مصر	۱۱۳
	۳۔ شام و عراق	۱۱۴
	۴۔ ایران	"
	۵۔ انڈونیشیا	۱۱۵
	۶۔ تیونس	"
	۷۔ الجزائر	"
	۸۔ حجاز	۱۱۶
	مغربی تہذیب اور اسلامی ممالک	"
	۱۔ اسلام کی ایرانی اور رومی تہذیب سے ٹکر۔	۱۱۷
	۲۔ اسلامی تہذیب کی تاتاری تہذیب سے ٹکر۔	"
	۳۔ مغربی تہذیب کی اسلامی تہذیب سے ٹکر۔	۱۱۸
	۴۔ قدیم و جدید کشمکش کا اصلی حل	۱۱۹
۱۰۱	اسلامی وحدت۔	۱۲۲
۱۰۲	اسلامی برادری۔	۱۲۴
۱۰۳	مسلمانوں کی عددی قوت۔	"
۱۰۴	تیل اور پٹرول کی قوت۔	۱۲۵
۱۰۵	رقبہ کے لحاظ سے تفوق۔	"
۱۰۶	جغرافیائی اتصال۔	"
۱۰۷	جذبہ جہاد و جفاکشی۔	"
۱۰۸	دین حق کا جذبہ توحید ہے۔	"
۱۰۹	ماضی کی شاندار تاریخ۔	۱۲۶
۱۱۰	مرکزیت۔	"

مکتبہ شمس الحق افغانی
بہاولپور
مکتبہ
شمس الحق افغانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ وحدہٗ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہٗ

امابعد۔ جدید دنیا میں مواصلات کی فراوانی کی وجہ سے تبادلہ کا دائرہ نہایت وسیع ہوگیا ہے اور کل قومیں ایک ہی گھر کے افراد معلوم ہونے لگی ہیں۔ یہ تبادلہ اموال تک محدود نہیں بلکہ افکار ونظریات پر بھی جاری ہے۔

اقوام عالم کے معاشی میدان میں اس وقت تین نظریات میں باہمی کشمکش ہے وہ نظریات حسب ذیل ہیں:

۱۔ سرمایہ دارانہ نظریہ ۲۔ اشتراکی نظریہ ۳۔ اسلام کا اعتدالی نظریہ

اول الذکر دونوں نظریات کی پشت پر عظیم عالمی طاقتیں، تصنیفات اور مخصوص نظام تعلیم موجود ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان دونوں نظریات پر ان کے حامیوں کو پختہ یقین ہے اور خود ان کی عملی زندگی میں یہ نظریات نافذ ہیں، لیکن اسلامی معاشی نظریہ ان سب امور سے محروم ہے جسکے نتیجہ میں وہ دونوں نظریات بالخصوص اشتراکی نظریہ سرعت کے ساتھ مسلمانوں میں پھیلتا جارہا ہے، جس سے انکے ملی وجود اور قومی تاریخ کے فنا ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا ہے اور ڈر ہے کہ کارل مارکس کا یہ بیہودہ نظریہ ہمارے قیمتی ملی اثاثہ کو برباد نہ کردے۔ بنا براں میں نے ضعف بدنی اور انتہائی مصروفیات کے باوجود یہ کتاب لکھی تاکہ تعلیم یافتہ طبقہ اس کتاب کے آئینے میں تینوں نظریات کا موازنہ کرکے ایک صحیح رائے قائم کرے۔

بارگاہ خداوندی میں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس کتاب کو ناظرین کے لئے وسیلہ ہدایت بنادے اور جملہ معاونین کتاب ہذا کیلئے ذریعہ نجات آخرت بنادے۔ آمین

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

احقر: سید شمس الحق افغانی
جامعہ اسلامیہ۔ بہاولپور
۸ صفر ۱۳۸۸ھ

مولانا سید شمس الحق افغانی

سرمایہ داری، سوشلزم اور اسلام

تمہید: وسائل معاش اور ضروریات کی تحصیل انسان کے سادہ دور میں نہایت آسان اور سہل تھی درختوں کے پھل اور شکار بری و بحری کے گوشت اور سادہ لباس اور معمولی خیموں، جھونپڑوں اور کچے مکانات اور لکڑی، چمڑے، ٹھیکر کے معمولی ظروف اور برتنوں پر انسانی زندگی کا مدار تھا۔ جو نہایت آسان اور سہل الحصول تھے جس کیلئے نہ وسیع سرمایہ کی ضرورت تھی اور نہ اس کے لئے حب مال اور حرص شدید کی آتشگی بجھانے کے لئے دوسرے ملک پر قبضہ کرنے کی ضرورت تھی تاکہ استحصال اور استعمار کی نوبت آتی۔ اس سادہ طرز حیات کے بعد تمدن وجود میں آیا اور اس نے بڑھتے بڑھتے دور حاضر میں ارتقائی شکل اختیار کی جس کی وجہ سے معاشی ضروریات اور حاجات کا دائرہ وسیع ہوگیا کہ اس دور کے ایک متمدن انسان کی ضروریات کا خرچ سادہ دور حیات کے سو افراد کی ضروریات کے خرچ کے برابر ہونے لگا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ متمدن زندگی کا ہر فرد بیش از بیش سرمایہ فراہم کرنے کے لئے جد وجہد کرنے لگا جس سے سادہ زندگی عیاشانہ زندگی میں اور کفایت شعاری اور قناعت، اسراف اور حرص میں تبدیل ہوتی ہو آگے چل کر سرمایہ دارانہ نظام حیات کیلئے سنگ بنیاد بنا۔ عیاشانہ زندگی نے مختلف دوائر میں اپنا عمل ظاہر کیا۔

سرمایہ دارانہ نظام کے تعیشات ومفاسد

۱۔ ماکولات: خوراک کے سلسلے میں تعیش نے ظہور کیا اور مختلف الاقسام کھانے وجود میں آئے اور ان کے لئے مختلف ظروف اور برقی ایجاد ہوئے اور میز پر ان کو ترتیب کے ساتھ رکھنے کے لئے بڑی تنخواہوں کے ماہر فن ملازم رکھنے پڑے، جن کی تنخواہ بعض ملکوں میں پانچ ہزار ماہوار تک پہنچی، جو چرچل سابق وزیر اعظم برطانیہ کی تنخواہ کے برابر ہے۔

۲۔ مشروبات: تعیش نے پینے کے دائرہ میں بھی توسیع کی اور شراب کے علاوہ سینکڑوں قسم کی رنگین مشروبات استعمال میں آنے لگیں اور شراب نوشی میں حد سے زیادہ اضافہ

ہونے لگا۔

۱۔ امریکہ کے صرف ایک مشروب یعنی شراب کا سالانہ خرچ نو ارب پندرہ کروڑ ڈالر ہے۔ دیکھئے نیویارک کی سرکاری رپورٹ مندرجہ میزان کرنٹ ۱۶ر جولائی ۱۹۵۲ء۔

۲۔ ملکہ الزبتھ ۳۹ دن کے ایک محفل تاجپوشی میں ۳۴ کروڑ روپے کی شراب صرف ہوئی۔ دیکھئے رپورٹ مندرجہ امروز ۳ر جون ۱۹۵۳ء اور عام طور پر انگلستان میں سالانہ شراب نوشی پر چار ارب چوبیس کروڑ کی رقم خرچ ہوتی ہے۔ پیغام ۳ر مئی ۱۹۳۶ء۔

۳۔ ملبوسات وغیرہ مردانہ اور زنانہ ملبوسات میں تمدن حاضر کی برکت سے وہ اضافہ ہوا کہ انسان اور کتوں کے علاوہ بے جان دیواروں کی آرائش کو بھی بیش قیمت کپڑوں سے سجایا گیا۔ اور اس کو تمدن کا لازمی جزو سمجھا گیا۔ ملبوسات کے علاوہ انگلینڈ کی عورتوں کا صرف عطریات کا سالانہ خرچ چھ کروڑ اٹھارہ لاکھ پونڈ ہے۔ انجام ۴ر اگست ۱۹۵۶ء امریکہ میں کتوں کے کمبلوں اور تفریح پر سالانہ ۵۲ کروڑ ۵۰ لاکھ ڈالر کی رقم خرچ ہوتی ہے۔ نقاد لاہور، جولائی ۱۹۵۴ء۔ برطانیہ کا سالانہ خرچ تفریح ایک ارب ۵۲ کروڑ پونڈ ہے۔ زمیندار ۴ر فروری ۱۹۵۱ء

مکتبہ [illegible] بہاولپور

۴۔ مسکن اور غیر فطری ذرائع معاش سرمایہ داروں نے تسکین خواہشات کیلئے وہ عمارتیں بنائیں اور ان پر وہ گراں بہا رقومات صرف کی گئیں کہ جو انسانی آبادی کے بڑے حصہ کی ضروریات حیات کیلئے کافی ہو سکتی تھیں۔ اس کے علاوہ سرمایہ دار افراد نے اپنی تسکین شہوت کے لئے زنائی دلال اور رقص و سرود کے وہ چشمے ایجاد کئے جس نے صنف نازک کے ایک بڑے طبقے کو معاشرے کے ضروری کاموں سے کاٹ کر ان غیر فطری اور مخرب اخلاق پیشوں میں لگا دیا۔ بلکہ سرمایہ داروں کی مزید تسکین کے لئے افسانہ نویسی، مسخرہ گوئی اور سینماؤں کی فحش تصاویر کی دنیا بھی وجود میں آئی۔ یہاں تک کہ مسلمان بھی اس کی نقل اتارنے میں فخر محسوس کرتے ہیں جس کو دیکھ کر اقبال مرحوم کو یہ کہنا پڑا ہے ؎

وہی بت فروشی وہی بت گری ہے — سینما ہے یا صنعت آزری ہے
وہ مذہب تھا اقوام عہد کہن کا — یہ تہذیب حاضر کی سوداگری ہے

ایک مشہور مسخرے چارلی چیپلن کی آمدنی تمام ملکوں کے وزیر اعظموں سے زیادہ تھی

۵۔ قماربازی اور سگریٹ نوشی سرمایہ دار تمدن کی تسکین شہوت جب اس پر بالا سے بالاتری نہ ہوئی تو تمدن حاضر نے قماربازی کی مختلف

شکلوں کو جزو زندگی بنا دیا۔ چنانچہ سرکاری رپورٹ کے مطابق یورپ و دنیا صرف قانونی جوا بازی پر ہر سال تیس ارب ڈالر کی رقم خرچ کرتی ہے، جو ایک کھرب روپے سے زیادہ ہے اور جس سے پوری دنیا کی آبادی کئی سال تک پل سکتی ہے۔ غیر قانونی جوا اس کے علاوہ ہے۔ دیکھئے کوہستان ۳۰ر دسمبر ۱۹۵۵ء۔

تمدن حاضر کی برکت سے امریکہ میں سالانہ ۴ کھرب ۲۳ ارب سگریٹ خرچ ہوتے ہیں۔ جاپان میں نو ارب، برطانیہ میں ایک کھرب گیارہ ارب سگریٹ، فرانس میں ۳۶ ارب، مغربی جرمنی اور اٹلی میں ۳۶ ارب، بیلجیم میں ۲۰ ارب اسی کروڑ، کینیڈا میں ۲۱ ارب، جنوبی کوریا میں ۱۴ ارب تیس کروڑ، فلپائن میں ۱۳ ارب ۳۰ کروڑ صرف ہوتے ہیں۔ دیکھئے رپورٹ مندرجہ انجام ۱۰ر فروری ۱۹۵۵ء۔ جس کی قیمت کم از کم پچاس ارب ۵۲ کروڑ پچاس لاکھ روپے ہے، جو یقیناً پوری دنیا کی ضروریات کیلئے کافی ہیں لیکن یہ رقم سگریٹ کی شکل میں آگ میں پھونک جاتی ہے۔ پھر بھی وہ عقلمند کہلاتے ہیں نہ دیوانے۔ لیکن اگر ایک آدمی صرف پانچ روپے کا نوٹ آگ میں جلا دے تو بالاتفاق دیوانہ کہلائے گا۔ ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

۶۔ ملک گیری اور استعمار سرمایہ دارانہ نظام کے مذکورہ شیطانی اخراجات کیلئے چونکہ ملکی آمدنی کافی نہیں ہوتی اس لئے یہ نظام استعمار کو جنم دیتا ہے۔ تاکہ دیگر ممالک کی پیداوار پر قبضہ کر کے ان اخراجات کو پورا کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ ان کے اپنے ملک میں اپنی مصنوعات کی مانگ محدود ہوتی ہے۔ اس لئے ایسے سرمایہ دار ممالک ان زائد مصنوعات کو فروخت کرنے کے لئے دیگر ممالک میں منڈیاں تلاش کرتے ہیں، تاکہ اپنی مصنوعات کی نفع بخش تجارت سے اپنی عیاشانہ ضروریات کو پورا کر سکیں۔ اسی قسم کی جدوجہد چونکہ ہر سرمایہ دار ملک کرتا ہے۔ اس لئے ہر حکومت چاہتی ہے کہ دوسرے ممالک کو وہ استعمار کی صورت میں زیر اثر رکھ کر اپنی تجارت کو فروغ دے سکے اور ان مستعمرات کو اپنی مصنوعات کے لئے مختص کر سکے۔ دیگر ممالک پر درآمد کا محصول بڑھا دے تاکہ ان کی اشیاء کی قیمت نسبتاً زیادہ ہو۔ اور اپنی مصنوعات کا محصول برائے نام ہو تاکہ سستا ہونے کی وجہ سے زیادہ مقدار میں ان کو فروخت کیا جا سکے۔ ان استعماری مقاصد کی کشمکش میں اکثر جنگ کی بھی نوبت آ جاتی ہے اور استعماری قومیں آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔ اسی لئے استعمار جنگ کو جنم دیتا ہے اور استعماری قوتوں میں آلات حرب

کی تیاری کی دوڑ شروع ہو جاتی ہے اور پھر وہ سرمایہ جنگ کے سامان پر خرچ ہونے لگتا ہے جو ضروریاتِ حیات ہی کے لئے مخصوص تھا۔

۷۔ آلاتِ حرب کی تیاری میں صرفِ دولت

نظامِ سرمایہ داری کے تحت ہر مملکت اپنی قوت میں اضافہ کرتی ہے تاکہ دوسرے ممالک ان کے استعماری مقاصد میں مخل انداز نہ ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی دولت کا اکثر حصہ گولہ بارود کی شکل میں آگ میں جھونک دیا جاتا ہے اور اقوامِ عالم کی معاشی حالت کمزور ہو جاتی ہے اس وقت استعماری حکومتوں کے جنگی اخراجات حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں، لیکن سو دو سال پیشتر کے جنگی اخراجات بھی کچھ کم نہیں۔ بجٹ ۱۹۵۳ء میں امریکہ کا جنگی بجٹ نوے کھرب ڈالر تھا۔

(کوثر ۵ اپریل ۱۹۵۲ء)

جس سے صدیوں تک پوری انسانی آبادی کی ضروریات پوری کی جا سکتی تھیں۔ امریکہ نے اتنی بڑی دولت کو نہایت استعماری مقاصد کے لئے صرف کیا یا نذرِ آتش کیا۔ نوے کھرب ڈالر کی بجائے اگر ایک انسان صرف ۲ روپے برباد کرے تو دیوانہ کہلائے گا لیکن نوے کھرب ڈالر برباد کر نیوالے امریکہ کو کوئی پاگل نہیں سمجھتا، بلکہ اسکو عقلمند قرار دیتے ہیں۔ ان ھذا لشیء عجاب۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جنگ کے سامان پر رقم صرف نہ کی جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جنگ برائے ظلم پر رقم خرچ نہ ہو کیونکہ جنگ بڑا انسانی جرم ہے۔ نہ جنگ برائے اقامتِ عدل کہ وہ درحقیقت بڑی انسانی خدمت ہے اور اسی میں عالمی حقوق کے تحفظ کا راز مضمر ہے۔

جنگ شاہان جہاں غارت گری ست
جنگ مومن سنتِ پیغمبر است

۸۔ سرمایہ دارانہ جذبہ اور سود

سرمایہ دارانہ نظام کے تحت آج کل سودی کاروبار کی جو وسعت نظر آ رہی ہے، اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ سرمایہ دارانہ نظام نے سودی کاروبار کو جزوِ زندگی بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ سرمایہ دار ملکوں میں کسی محتاج ترین فرد کو پانچ روپے بلا سود بطور قرضہ نہیں مل سکتے۔

اب ہم اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کے وہ نقصانات اور تباہیاں مختصر طور پر بیان کرتے ہیں، جو اس نظام کی بدولت مہلک جراثیم کی شکل میں انسانی معاشرے میں پیوست ہو چکے ہیں۔

مکتبہ [illegible] بہاولپور

سرمایہ دارانہ نظام کی دینی تباہی

زوالِ محبتِ الٰہیہ

دین کی روح یہ ہے کہ دل میں اللہ کی محبت راسخ اور مضبوط ہو اور قلب پوری یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف جھکے۔ اسی جھکاؤ کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ دل پر اللہ کی عظمت اور مخلوقِ خدا کی شفقت کا رنگ چڑھتا ہے۔ اس سے اللہ اور انسان کے حقوق کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، اور پوری زندگی الٰہی ہدایات کے قالب میں ڈھل جاتی ہے، لیکن سرمایہ دار کی محبت کا رخ مال اور سرمایہ بڑھنے کی طرف پلٹ جاتا ہے اور ان کی پوری زندگی سرمایہ میں اضافہ کرنے کے لئے وقف ہوتی ہے اور اللہ اور اس کی مخلوق سے محبت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے بلکہ حیوانات کی طرح کسی پابندی کو قبول کئے بغیر وہ سب کچھ کر ڈالتا ہے جس سے اس کے سرمایہ میں اضافہ ہو، خواہ سود ہو، خواہ رشوت، خواہ غصب و قمار بازی۔ گویا سرمایہ اس کے لئے دین سے بغاوت کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ کلا ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ۔ یوں نہیں بلکہ انسان اللہ کے قانونِ انصاف کا باغی بن جاتا ہے، جب وہ غنی بن جاتا ہے۔

زوالِ محبتِ انسانیہ

تکمیلِ انسانیت کے لئے انسان کو اللہ اور دیگر انسانوں کے ساتھ ارتباط ضروری ہے جس کی بنیاد محبت پر قائم ہے۔ جب سرمایہ کی محبت غالب آ جاتی ہے تو یہ اللہ اور بنی نوعِ انسان دونوں کی محبت کو ختم کر دیتی ہے جس کی وجہ سے الٰہی اور انسانی حقوق کی ذمہ داری کا احساس فنا ہو جاتا ہے اور فرد کا رشتۂ محبت جماعت سے کٹ جاتا ہے اور شخصی مفاد غالب ہونے کی وجہ سے اس سے معاشرے میں بے شمار مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ محبت کا اتفاقی فلسفہ یہ ہے کہ جب ایک شئے کی محبت میں حد سے زیادہ اضافہ ہو تو اسی تناسب سے دوسری شئے کی محبت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ بالتدریج اس کی محبت فنا ہو جاتی ہے۔ ایک شخص کی دو بیویاں ہوں تو جب ایک کی محبت زیادہ ہو جاتی ہے تو دوسری بیوی کی محبت میں لامحالہ کمی آئے گی۔ اسی فلسفہ کے تحت سرمایہ دار پر حبِ ذات و مال غالب آ جاتی ہے، اور حبِ انسان مغلوب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دیگر انسان کی محبت اگر کسی وقت اس کے دل میں پیدا ہو تو وہ بھی جب کہ اس انسان سے اس کو کوئی غرض اور نفع وابستہ ہو، یا بالواسطہ محبت درحقیقت حبِ انسان [illegible] نہیں، بلکہ حبِ ذات ہے کہ اس کی ذات کا کوئی فائدہ اس سے وابستہ ہوا ہے۔ ورنہ اس کا دل ذاتی مفاد کے

سواکسی طرف پلٹتا نہیں، نہ خدا کی طرف، نہ بنی نوع انسان کی طرف۔ تو درحقیقت اس کا دل قلب ہی نہ رہا، کیونکہ قلب اور دل کا کام پلٹنا ہے۔ وما سمی الانسان الا لانسہ وما القلب الا لانہ ینقلب۔ جب اُنس اور محبت اور دل کا دوسرے کے مفاد کی طرف پلٹ جانا ایک انسان میں باقی نہ رہے تو وہ درحقیقت انسان ہی نہ رہا۔ اگرچہ اس کی صورت انسانی ہو۔ جیسے کاغذی گھوڑا، گھوڑے کی صورت رکھنے کے باوجود حقیقی گھوڑا کہلانے کا مستحق نہیں۔ بقول عارف رومی ؎

آنچہ می بینی خلاف آدمی اند   نیستند آدمی غلاف آدم اند

سرمایہ دارانہ نظام کی اخلاقی تباہیاں

اس نظام سے اخلاق فاضلہ کا خاتمہ ہوجاتا ہے اور اخلاق رذیلہ کا استحکام پیدا ہوتا ہے انسانیت کے بلند اخلاقی اقدار حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایثار ــــ یعنی اپنے مفاد کو دوسرے انسانوں کے مفاد پر قربان کر دینا۔

(۲) رحمت و شفقت ــــ یعنی دوسرے انسانوں کی حاجت مندی اور دکھ سے متاثر ہونا اور اس تاثر کے تقاضا پر عمل کرنا۔

(۳) ہمدردی جس کو عربی میں نصیحت کہتے ہیں جس کا معنی ہے دوسرے انسانوں کے نفع وضرر کو اپنا نفع وضرر سمجھنا اور اس کے مقتضیٰ پر عمل پیرا ہونا۔

(۴) شجاعت یعنی بہادری جس سے انسانیت کے بلند ترین مقاصد کے لئے جان کی قربانی دینا

(۵) سخاوت، بنی نوع انسان کی حاجت روائی کے لئے مال کو قربان کردینا یہ وہ بنیادی اخلاق ہیں جن کے حسن و خوبی پر اقوام عالم متفق ہیں اور جن کو انسان کے فطری کمالات سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ وہ روشن خوبیاں ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کے تعلیمات کا لب لباب ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام سے انسان جس سانچے میں ڈھل جاتا ہے اس میں ان اخلاق پنپنے کے لئے گنجائش باقی نہیں رہتی۔

۱۔ ایثار

سرمایہ دار جب اپنے محتاج بھائی کو بلا سود ایک کوڑی نہیں دے سکتا تو اس میں ایثار کہاں سے آئے گا بلکہ ایثار کی جگہ سرمایہ دارانہ نظام نے اس کے دل میں حرص اور شخصی مفاد کا تخم بو دیا ہے۔ اس کے جذبہ حرص کا تقاضا تو

مکتبہ [illegible] بہاولپور

یہ ہے کہ فقر و افلاس، محتاجی اور مصیبت اور بڑھے تاکہ سودی کاروبار خوب چمکے۔

۲۔ شفقت اور رحمت اور سرمایہ داری

ایسا شخص جس کو سرمایہ دارانہ نظام نے سود کا خوگر بنادیا ہے اور وہ افزائش دولت کے جذبہ سے سرشار ہے وہ اپنی کامیابی اسی پر منحصر سمجھتا ہے کہ فقرا اور محتاجوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو تاکہ سودی بازار کی خوب چہلت ہو۔ اور عوام کی محتاجی سے فائدہ اٹھا کر دولت میں اضافہ کیا جاسکے۔ چور ڈاکو کیلئے پھر بھی کسی وقت اس کا دل جائے اور شفقت و رحمت کے جذبہ سے سرشار ہو کر چوری اور ڈاکہ چھوڑ دے۔ لیکن سود خوری سے باز آجانا اور تائب ہوجانا ممکن نہیں۔ خاصکر جب قانون وقت میں وہ جرم بھی نہ ہو۔ اس لئے سود خور کا دل انسانی شفقت و رحمت سے خالی ہوتا ہے۔

۳۔ ہمدردی اور خیر خواہی

جس سرمایہ دار کی روزی اور نفع اندوزی دوسروں کی مصیبت، غربت و افلاس پر مبنی ہو اس میں ہمدردی کا جذبہ کیونکر پیدا ہوسکتا ہے ہمدردی کا معنی تو یہ ہے کہ دوسروں کا نفع اپنا نفع اور دوسروں کا ضرر اپنا ضرر سمجھیں۔ لیکن یہاں تو بقول متنبی دوسروں کی مصیبت کو وہ اپنا فائدہ سمجھتا ہے۔ ؎

مصائب قوم عند قوم فوائد

۴۔ شجاعت اور سرمایہ داری

شجاعت اس کا نام ہے کہ ایک آدمی منفعت عامہ اور انسانیت کے بلند مقاصد کے لئے جان کی قربانی دے لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا ایک فرد جب ایک محتاج کی حاجت روائی کے لئے بلا سود پانچ روپے نہیں دے سکتا تو وہ جان کی قربانی کب دے سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سود خور اقوام سخت بزدل اور شجاعت سے خالی ہوتی ہیں۔ ایسی قومیں جب فوج کو لڑاتی ہیں تو شراب نوشی کے ذریعہ مصنوعی شجاعت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہیں لیکن حقیقت پھر بھی نہیں بدلتی جس کی بڑی دلیل دنیا کی عظیم ترین سرمایہ دار حکومت امریکہ کی وہ جنگ ہے جو وہ گذشتہ چند سالوں سے اپنے بے پناہ وسائل کے ذریعہ ایک چھوٹی غیر ترقی یافتہ معمولی ریاست سے لڑ رہی ہے۔ یعنی شمالی کوریا اور شمالی ویت نام کے ساتھ امریکہ نے ان دونوں لڑائیوں میں اپنی پوری قوت جھونک دی لیکن نہ وہ شمالی کوریا کو شکست دے سکا

اور شمالی ویٹ نام کو شکست دے سکتا ہے اور نہ دے سکے گا۔

ان دونوں جنگوں نے ثابت کر دیا کہ سرمایہ دار سود خور قومیں بنیوں کی طرح بہادری سے خالی ہوتی ہیں اور بہادری کے بغیر مشینی طاقت فیصلہ کن نہیں۔ اخلاقی اعتبار سے امریکہ صفر ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس صفر قوم کو سائنسی آلات حرب اور دولت کا حفاظتی قلعہ کب تک محفوظ رکھ سکتا ہے۔ غالباً جب سرمایہ دار اقوام کی اسلحہ سازی کا ہنر معمولی اقوام میں پھیل جائے گا۔ اگرچہ امریکہ اور یورپ کے برابر نہ ہو تو وہ وقت ان ممالک کی تباہی کا وقت ہو گا۔ اور انسان اور انسان کی جنگ ہو گی تو جس قوم میں اخلاقی اقدار کی برتری ہو گی، وہی فتح پائے گی۔

مکتبہ [illegible] بہاولپور

سرمایہ داری نظام کی اقتصادی تباہیاں

پہلا اقتصادی نقصان کسی قوم کی اقتصادی حالت اس وقت بہتر ہو سکتی ہے کہ قوم کے تمام افراد کو ضروریات زندگی میسر ہوں اور کوئی فرد ضروریات حیات سے محروم نہ ہو۔ لیکن اگر ایک قوم کے محدود چند افراد کے پاس دولت اور ضروریات حیات کے انبار لگے ہوں اور اکثر افراد ضروریات حیات سے محروم ہوں تو یہ قومی حیثیت سے اقتصادی انحطاط ہے، ترقی نہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا یہ خاصہ ہے کہ وہ دولت کو چند افراد یا خاندانوں میں محدود رکھتا ہے جس کو وہ افراد لعیاشی، شیطانی اور مسرفانہ اخراجات میں صرف کر دینے کے باوجود ختم نہیں کر سکتے۔ اور قوم کی باقی اکثریت مفلوک الحال ہوتی ہے۔ غربت اور افلاس کا دائرہ اس نظام کی وسعت کے اندازہ پر ہو گا۔ جس قدر ممالک اور اقوام پر سرمایہ دار ملک بالذات یا بالواسطہ اقتدار قائم کر لیتا ہے۔ ان سب ممالک کی پوری آبادی کی اکثریت مفلوک الحال اور فاقہ مست ہو جاتی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام دولت کے خون کو جذب کرنے کا ایک طاقتور جونک کی طرح ہے کہ جہاں اس کا اثر پہنچا وہاں سے اس نے دولت کا خون چوس لیا۔ آج کل دنیا کے اکثر حصوں پر بالذات یا بالواسطہ سرمایہ دار ملکوں کا اثر ہے۔ اس نے دنیا کی پوری آبادی کی اکثریت فاقہ میں مبتلا ہے۔ اگرچہ مشینی آلات زراعت اور آب پاشی کے سائنسی وسائل کے ذریعہ زمینی پیداوار بڑھانے میں انتہائی کوشش

کی گئی اور کی جا رہی ہے۔ پھر بھی ان کو سرمایہ دارانہ نظام کی لائی ہوئی بھوک دور کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی۔ جس کی بڑی دلیل اقوام متحدہ کی سماجی رپورٹ مندرجہ انجام کراچی ۱۷ مئی ۱۹۵۳ء ہے جس میں درج ہے کہ:

"دُنیا کی آبادی کا نصف حصہ فاقہ کشی اور ضروریات مہیا نہ ہونے کی وجہ سے بیماری میں مبتلا ہے۔"

معلوم ہوا کہ دُنیا کی نصف آبادی کے پاس نہ خوراک کے لئے روپیہ ہے اور نہ علاج کے لئے دوا کی قیمت۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے زمین کی مجموعی دولت بقدر ضرورت تمام انسانوں کے حصے میں نہیں آتی۔ بلکہ چند مہاجنوں، کارخانہ داروں اور سود خوروں میں بند ہو گئی ہے۔ دولت اجتماعی زندگی کے لئے ایسی ہے جیسے خون شخصی زندگی کے لئے۔ اگر بدن سے حاصل شدہ خون کسی ایک عضو میں بند ہو جائے تو باقی اعضا کی نشوونما کے لئے کیا بچے گا اور ایسی صورت میں ان کا کیا حال ہو گا۔ اسی طرح انسانیت بھی ایک واحد وجود ہے اور مختلف طبقات مختلف اعضاء ہیں۔ اگر ایک طبقہ یعنی امراء انسانی مادہ حیات یعنی وسائل رزق پر قابض ہو جاتا ہے تو باقی طبقات کی محرومی یقینی ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید نے مال کو مادۂ حیات انسانی قرار دیا ہے۔ ولا تؤتوا السفهاء اموالکم التی جعل الله لکم قیاماً۔ "تم نادانوں کے ہاتھ میں مال مت دو، جس سے تمہاری زندگی قائم ہے۔" آج کل انسانی اموال پر تقریباً سفہاء اور بے وقوفوں کا قبضہ ہے۔ جس کو وہ بے جا اڑا کر ضائع کرتے ہیں جیسے آگے چل کر بیان ہو گا۔ مادۂ حیات مال ہے۔ اجتماعی زندگی کے لئے جس طرح خون شخصی زندگی کیلئے مادہ حیات ہے تو مادۂ حیات کا چند افراد یا خاندانوں میں بند ہو جانا نامعقول ہے بلکہ خون کی طرح اس کی گردش اور حرکت ضروری ہے۔ قرآن مجید نے مال غنیمت پوری فوج پر تقسیم کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔ کی لا یکون دولة بین الاغنیاء منکم "تاکہ مال صرف دولتمند طبقے میں چکر نہ لگائے" بلکہ دیگر افراد بھی اس سے متمتع ہو سکیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کا دوسرا اقتصادی نقصان سرمایہ دارانہ نظام میں ناجائز کمائی کی وجہ سے مثلاً رشوت، قمار بازی، عقود فاسدہ، غصب، نہب، سمگلنگ وغیرہ کی وجہ سے ایک خاص طبقہ میں افراط زر پیدا ہو جاتا ہے جس سے ضروریات زندگی کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور عوام قوت خرید نہ ہونے کے باعث ضروریات کی خرید سے عاجز

ہو جاتے ہیں لہٰذا وہ غربت و افلاس اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ صرف ایک قلیل طبقہ خوشحال ہوتا ہے لیکن عوام کی حالت قابلِ رحم ہوتی ہے جس سے عوام کی اقتصادی حالت ناہموار ہو جاتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا تیسرا اقتصادی نقصان

عوام جب محنت کر کے بھی افراطِ زر اور اشیائے صرف کی قیمت بڑھ جانے کی وجہ سے اس کو نہیں خرید سکتے اور باوجود مشقت کرنے کے بھوک اور افلاس میں مبتلا رہتے ہیں تو اجرت عمل کے اضافہ کے لئے ہڑتال کی نوبت آتی ہے۔ جب اس سے بھی مقصد پورا نہیں ہوتا تو ان کے جذبۂ عمل اور جوشِ محنت میں کمی پیدا ہو جاتی ہے جس سے کسبِ مال کی تحریک کمزور ہو جاتی ہے اور برآمد کی کمی کی وجہ سے عمومی معاشی حالت خراب ہو جاتی ہے۔ سرمایہ دار ممالک میں روزمرہ ان امور کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

سرمایہ داری کا سیاسی نقصان

پہلا سیاسی نقصان

مستحکم حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوام مطمئن ہوں اور ان میں باہمی چپقلش اور طبقاتی خصومت اور منازعت نہ ہو لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے کہ اس میں امیر تر اور غریب تر ہونے لگتا ہے جس سے طبقاتی جنگ پیدا ہو جاتی ہے اور جب عوام یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ اس جنگ اور خستہ حالی کا اصل سبب وہ حکومت ہے جو اس نظام کی حفاظت کرتی ہے اور اس نظام کو قائم رکھنا چاہتی ہے تو عوام کی نفرت کا رخ حکومت کی طرف پھر جاتا ہے اور عوام اور حکومت میں کشمکش شروع ہو جاتی ہے اور تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول کے تحت عوام اور حکومت کے تصادم کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔

غلام گرسنہ دیدی کہ بر درید آخر
قبا شاہ کہ رنگین ز خون ما بود و است

اور کسان کے ضمیر کی یہ آواز ہوتی ہے ؎

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

مکتبہ شمس الحق افغانی بہاولپور

آپ کو ہڑتالوں اور بغاوتوں کا سلسلہ جن حکومتوں میں نظر آتا ہے وہ اسی ناہموار معاشی نظام کا نتیجہ ہے جس سے حکومت غیر مستحکم ہو جاتی ہے۔

سرمایہ داری کا دوسرا سیاسی نقصان

سرمایہ دارانہ نظام عوام کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے امیر و غریب۔ امراء میں جب مال کی بنا پر بزدلی پیدا ہو جاتی ہے جو اس کا لازمی نتیجہ ہے اور غرباء میں نظامِ حکومت سے نفرت کی وجہ سے بددلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اب حکومت کے پاس اپنی مملکت کی حفاظت اور دفاع کے لئے کچھ نہیں رہتا۔ امراء بزدلی کی وجہ سے اہلیت دفاع سے محروم ہوتے ہیں اور غریب عوام خود حکومت سے متنفر ہوتے ہیں۔ حکومت کی حفاظت قربانی اور جذبۂ جاں نثاری کے بغیر ممکن نہیں اس لئے بیرونی حملہ آور آسانی سے ایسے ملک پر قبضہ کر سکتا ہے۔ ویٹ نام کی جنگ اس کی بیّن دلیل ہے۔ عوام ویٹ کانگ اس جنگ میں جس بہادری کا ثبوت دے رہے ہیں امریکی عوام میں وہ جذبہ نہیں ہے۔ نتیجہ یہ کہ امریکہ کو اپنے بے پناہ وسائل جنگ کو کام میں لانے کے باوجود اس چھوٹی سی ریاست کے مقابلے میں کامیابی نصیب نہیں ہوتی بلکہ شکست ہو رہی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ میدانِ جنگ میں ہتھیار اور آلاتِ حرب خود نہیں لڑتے بلکہ انسانی قوت ان آلات کو استعمال کرتی ہے اور ان کی قوتِ قلبی شجاعت اور جفاکشی جوشِ عمل پر فتح و شکست کا مدار ہوتا ہے۔ اور وہ امریکی عوام میں صفر ہے۔ اب تو سائنسی آلاتِ حرب اور دولت نے کچھ اس کی لاج رکھی ہے۔ جب یہ آلات عام ہو جائیں گے تو امریکہ کا انحطاط نمایاں ہو جائے گا۔ اور پردہ چاک ہو جائے گا۔

سرمایہ داری کا تیسرا سیاسی نقصان

مضبوط سیاسی نظام کے لئے یہ ضروری ہے کہ قوم اور مملکت کے تمام افراد متحد اور منظم ہوں ان میں انتشار، تفریق اور طبقاتی کشمکش نہ ہو۔ ورنہ سیاسی نظام کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا ہے اور داخلی کمزوری کی وجہ سے قوم اور مملکت ضعیف ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ سرمایہ داری نظام میں یہ کشمکش ضرور موجود ہوتی ہے۔ اسی کمزوری کی وجہ سے ایسی مملکت حملہ آور کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ عیسائی ادیب اور مورخ جرجی زیدان کا خیال ہے کہ اسلامی قوت نے روم اور فارس کی حکومت کو اس وجہ سے شکست دی کہ ان میں سرمایہ داروں کے نظام کی وجہ سے عوام بددل تھے اور اسلامی انصاف کے لئے چشم براہ تھے۔ یہ بات اگرچہ کلیتہً درست نہیں،

لیکن یہ ضرور ہے کہ اسلامی مملکت کا اندرونی معاشی اور عدالتی نظام مقابلۃً معقول اور مستحکم تھا۔

سرمایہ داری کا چوتھا سیاسی نقصان

سیاسی استحکام کے لئے یہ ضروری ہے کہ افرادِ مملکت صحت بدن، پختگی کردار، اخلاق، جفاکشی اور مروت سے بے خوفی جیسے اوصاف کے حامل ہوں۔ تاکہ وہ زندگی کے "تلخ واقعات" کا پوری ہمت اور استقامت کے ساتھ مقابلہ کر سکیں۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام جس قسم کی عیاشانہ زندگی کو جنم دیتا ہے وہ ان صفات کے خلاف ہوتی ہے۔ اخلاق، قوت اور پختگی سیرت کو تباہ کرنے والی چیزیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شراب نوشی ۲۔ سگریٹ ۳۔ زنا ۴۔ لواطت اور اغلام ۵۔ چوری

اب سرمایہ دار ممالک کی اخلاقی کیفیت ملاحظہ ہو۔

شراب انگلستان میں سالانہ ۳ ارب ۴۲ کروڑ روپے کی شراب لنڈھائی جاتی ہے۔ سچ ۲۷ مئی ۱۹۲۶ء۔ یہ چالیس سال قبل کی شراب نوشی ہے۔

امریکہ کے باشندے شراب پر سالانہ ۹ ارب ۱۵ کروڑ ڈالر خرچ کرتے ہیں۔ اگر ڈالر کی قیمت پانچ روپے پاکستانی ہو تو مجموعی طور پر شراب کا خرچ پاکستانی سکہ کے حساب سے ۴۵ ارب ۷۵ کروڑ روپیہ ہے۔ میزان کوئٹہ ۱۶ جولائی ۱۹۵۲ء

صرف ملکہ الزبتھ ۳۹ واں کے جشن تاجپوشی کی مجلس میں ۳۴ کروڑ روپے کی شراب خرچ ہوئی۔ امروز ۳ جون ۱۹۵۳ء

سگریٹ رپورٹ مندرجہ انجام کراچی ۱۰ فروری ۱۹۵۵ء کے مطابق صرف آٹھ سرمایہ دار ممالک میں سگریٹ پر سالانہ پچاس ارب پچاس لاکھ کی رقم خرچ کرتے ہیں۔

زنا رپورٹ مندرجہ نوائے وقت لاہور ۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء کے مطابق گذشتہ جنگ عظیم میں امریکی فوجوں نے جاپانی ماؤں سے خفیہ اور ہنگامی صورتوں کے علاوہ بیس لاکھ حرامی بچے چھوڑے۔ اس کے برخلاف اسلامی فوجوں نے دنیا کے اکثر حصے کو فتح کیا، لیکن زنا کا ایک واقعہ بھی پیش نہیں آیا — امریکہ میں ۲۱ سالہ نوجوان ہیروئن کے ساتھ تین دوشیزہ عورتوں نے سات مرتبہ زنا بالجبر کیا — پاسبان کوئٹہ ۴ مئی ۱۹۵۲ء۔ اب تک انسانی تاریخ میں مرد کا زنا بالجبر تو آپ نے سنا ہوگا۔ لیکن عورتوں کا مرد کو زنا پر مجبور کر دینا ترقی کا انوکھا واقعہ ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے ہتھیار ڈالنے کی خوشی میں سان فرانسسکو میں فوجیوں

نے شراب پی، دوکانیں لوٹیں اور دوشیزاؤں کی عصمت دری کی اور عام سڑکوں پر ان کو ننگا کر دیا۔ نوائے وقت لاہور ۲۶ اگست ۱۹۵۳ء۔ برطانیہ میں مادرزاد ننگوں کی تعداد پانچ لاکھ ہے۔ نوائے وقت ۲۲ مئی ۱۹۵۳ء

لواطت اور اغلام امریکہ کے سپریم کورٹ کے جج نے دو لاکھ ننگی اور گندی تصویروں کو دیکھ کر کہا کہ نیویارک سدوم اور عمورہ بنتا جا رہا ہے (یہ قوم لوط علیہ السلام کی لواطت کے جرم میں تباہ شدہ بستیوں کے نام ہیں) صدق جدید ۳ دسمبر ۱۹۵۴ء

اغلام بازی تہذیب فرنگ کا جزو بن گیا ہے۔ لندن ٹائمز ۲۶ دسمبر ۱۹۵۵ء

۴ جولائی ۱۹۶۷ء کو انگلستان کے دارالعوام اور دارالامراء میں ۱۴ کے مقابلے میں ۹۹ ووٹوں کی اکثریت کے ساتھ تالیوں کی گونج سے یہ قانون پاس ہوا کہ بالغ مرد باہمی رضامندی کے ساتھ تلذذ بالمثل حاصل کر سکتے ہیں۔ جس پر ملکہ الزبتھ کے دستخط ہو کر اب جواز لواطت انگلستان کا قانون بن گیا۔ ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک۔ اگست ۱۹۶۷ء

انگلستان میں کلیسا، گرجے، پارلیمنٹ اور سب شعبوں میں لواطت عام ہے۔

صدق جدید ۹ جنوری ۱۹۵۶ء

چوری امریکہ کے محکمہ تحقیقات کی رپورٹ ہے کہ امریکہ میں ہر سیکنڈ میں ایک بڑا جرم ہوتا ہے۔ ہر ۲۴ گھنٹے میں ۶۳۴ موٹریں چرائی جاتی ہیں۔ پاسبان کوئٹہ ۴ جنوری ۱۹۵۰ء

صدر کینیڈی کی صدارتی تقریب [illegible] واشنگٹن میں منائی گئی۔ اس میں گیارہ ہزار پیالے، چھ ہزار شیشے کے ٹکڑے، چھ سو رومال ایک بڑی [illegible] ترجمان اسلام ۲۱ اپریل ۱۹۶۱ء

یہ مشت نمونہ از خروارے ہے۔ [illegible] اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یورپ کی اخلاقی حالت بے لگامی کی کس حد تک پہنچ گئی ہے۔ [illegible] اخلاقی انحطاط پیدا ہوتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام اور بے اطمینانی [illegible] کا خاصہ یہ ہے کہ انسان کا قلب و ضمیر [illegible] کا رشتہ اللہ سے منقطع ہو کر صرف مادی فوائد کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس مادی نظام کے اشخاص و افراد میں بے اطمینانی اور بے چینی یہاں تک پھیل جاتی ہے کہ مادی سامان کی فراوانی کے باوجود وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو کر اسکو ختم کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ

مکتبۃ الحق ... بہاولپور

اس مادی نظام کا دولتمند ترین ملک امریکہ کا یہ حال ہے جو سرکاری رپورٹ سے ظاہر ہے کہ امریکہ میں یکم جنوری ۱۹۶۳ء سے یکم نومبر ۶۳ء تک یعنی کل دس ماہ میں امریکہ کے دس لاکھ افراد نے خودکشی کی اور اپنی زندگی کا خاتمہ کیا جس سے ہماری بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ دیکھو رپورٹ مندرجہ روزنامہ پاکستان ۲۲ نومبر ۶۳ء لیکن اسلام کے معاشی نظام کے کسی دور میں بھی خودکشی کا ایک واقعہ کسی مورخ کو دستیاب نہیں ہو سکتا۔

سرمایہ دارانہ نظام کا اصلی سرچشمہ یہود ہیں

آج کل نصف دنیا سے زیادہ ممالک میں سرمایہ دارانہ نظام نافذ ہے جس کے مفاسد اوپر بیان کئے گئے۔ اس نظام اور اس نظام سے پیدا شدہ تباہیوں کا اصلی سرچشمہ قوم یہود ہے۔ اس قوم کا پہلا مرکز فلسطین اور جزیرۃ العرب تھا جن کے سودی کاروبار نے پوری عرب قوم کو مفلس اور قلاش بنا دیا تھا۔ قرآن پاک نے بھی ان کی سرمایہ داری اور اکتنازیت کی شدید مذمت کی اور ارشاد ہوا: "والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله فبشرهم بعذاب الیم" جو لوگ سونے اور چاندی کے خزانے رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خبر دو۔ حضرت معاویہؓ سے بخاری کتاب الزکوٰۃ میں روایت ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے حق میں ہے۔ عرب اور بالخصوص مدینہ میں اہل کتاب میں سے زیادہ یہودی آباد تھے اور وہی سرمایہ داری اور اکتنازیت کے جرم کے مرتکب ہوتے تھے۔ اسلام جب غالب آیا تو یہود اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور عرب سے نکل کر یورپ میں اور بعد ازاں امریکہ میں پھیل گئے اور اپنا سودی کاروبار اور سرمایہ دارانہ نظام بھی ساتھ لے گئے جس کو انھوں نے تمام یورپ اور امریکہ میں پھیلایا۔ اب بھی یہود کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا کی چالیس فی صد دولت پر قابض ہیں۔ ان ہی یہود کی وجہ سے نصف دنیا سود اور سرمایہ دارانہ نظام کے جہنم کدہ میں جل رہی ہے اور اسی یہودانہ نظام نے استعمار کی شکل میں دنیا کے ایک بڑے حصے کو غلام بنا دیا ہے۔ جو بیدار ہونے کے بعد حصول آزادی کے لئے برابر لڑتے ہیں۔ استعمار قائم کرنے اور بعد ازاں استعمار سے آزادی حاصل کرنے میں جس قدر خون ریزیاں ہوئیں یا آئندہ ہوں گی یہ اس یہودانہ نظام کے نتائج ہیں۔

سرمایہ دار ممالک کے عوام غریب ہیں

اس ناہموار اور غیر متوازن نظام کے جو مہلک نتائج ہم نے بیان کئے وہ صرف عقلی و منطقی نہیں بلکہ واقعاتی

اور تجرباتی ہیں۔ برطانیہ کی آبادی ۱۹۳۹ء میں چار کروڑ تین لاکھ تھی اور فی کس سالانہ آمدنی ستر روپے تھی لیکن اس عظیم تعداد میں لکھ پتی صرف ۴۴۳ تھے۔ (المقتطف مصر نومبر ۱۹۳۰ء) گویا اسراف کے مرکز میں آسودہ حال بھی چند سو آدمی تھے۔ باقی افراد کا حال ۷ مئی ۱۹۳۶ء کی مندرجہ ذیل رپورٹ اعداد و مردم شماری میں حسب ذیل ہے:

ہمارے ملک انگلستان میں چوتھائی آبادی تقریباً ایک کروڑ ایسی ہے جو ناداری میں زندگی بسر کر رہی ہے اور دوسری ایک کروڑ ایسی ہے جو نیم فاقہ کشی کی حالت میں دن کاٹ رہی ہے۔ جو آرام و آسائش کے نام سے بھی واقف نہیں اور مویشی رکھنے تک پر قادر نہیں۔ انگلستان نے جب فقرا اور مساکین کا حصہ خزانہ میں منظور کیا تو کہا گیا کہ اب افلاس ختم ہوا جس پر ڈیلی ہیرلڈ نے لکھا، اب بھی بہت گھرانے ہیں جن کو گوشت سبزی بغیر آلو کے کبھی نصیب نہیں ہوا۔ ایک طرف یہ افلاس اور دوسری طرف آسودہ حال طبقہ سالانہ چار ارب ۴۷ کروڑ کی رقم شراب پر خرچ کرتا ہے۔ اس فقر نے برتھ کنٹرول پیدا کیا۔ (سچ لکھنؤ ۵ فروری ۱۹۲۶ء)

یہ اس عظیم سرمایہ دار ملک کا حال ہے جس کی سلطنت پر آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا۔ امریکہ میں سالانہ اوسطاً ایک لاکھ ڈاکے پڑتے ہیں اور پانچ لاکھ چوریاں ہوتی ہیں جس کا بڑا سبب فقر اور افلاس ہے۔ (سچ ۱۱ اپریل ۱۹۲۷ء بحوالہ سنڈے ایکسپریس پاینیر الہ آباد) فقر کی وجہ سے خودکشی پر آمادہ ہونے والوں کی تعداد سالانہ صرف انگلستان میں ۵ ہزار ہے۔

اکتنازیت نے اشتراکیت کو جنم دیا

اکتنازیت اور سرمایہ داری کے غیر فطری نظام نے بے شمار مفاسد کو پیدا کیا جس سے خود اس کے پیٹ سے اس کا توڑ یعنی اشتراکیت کا نظام پیدا ہوا۔ اسی کے پیٹ سے ہم نے اس لئے کہا کہ دونوں غیر فطری تحریکوں (سرمایہ داری اور کمیونزم) کے موجد اور بانی یہود ہیں۔ کمیونزم یا اشتراکیت کے بانی شوپنچ بار الماتی[1]، کارل مارکس[2]، لینن[3] ہیں اور یہ تینوں یہودی ہیں۔ (ملاحظہ ہو طنطاوی کی تفسیر الجواہر ج ۲ صفحہ ۱۳۸) ان دونوں یہودانہ تحریکوں نے کل دنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کیا۔ مشرقی اور اشتراکی بلاک اور مغربی سرمایہ دار بلاک۔ دونوں میں اسلحہ سازی کی دوڑ جاری ہے اور ان دونوں نظاموں کی کشمکش سے لاکھوں کروڑوں جانیں ضائع ہوئیں اور ہو رہی ہیں جس کے لئے مہلک ترین ہتھیار یعنی ایٹم بم آئن سٹائن یہودی نے ایجاد کیا ہے۔

سرمایہ داری کی طرح کمیونزم کے بانی بھی یہودی ہیں

عالم کا یہ مادی فتنہ جس نے دو بلاکوں میں دنیا کو تقسیم کیا اور ان دونوں میں مستقر سرد یا گرم جنگ قائم ہے، یہودی فتنہ ہے جس ملعون قوم نے ان دونوں نظاموں کو تشکیل دی اور اپنے زور قلم سے عالم میں اس کو مقبول بنایا۔ اب پوری دنیا یہودی چکّی کے دو پاٹوں سرمایہ داری کمیونزم میں پسی جا رہی ہے۔ یہ ملعون قوم صرف اس معاشی فتنہ کی علمبردار نہیں، بلکہ تمام دینی فتنوں کا اصلی سرچشمہ بھی یہود ہیں۔

عیسائی توحید اور پولوس یہودی

توحید جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصلی دین تھا اس کو پولوس یہودی نے منافقانہ طور پر عیسائی بن کر تثلیث کفارہ اور الوہیت کی شکل میں تبدیل کیا جس کی وجہ سے اصلی مسیحیت نے بگڑ کر جدید مسیحیت کی شکل اختیار کی (تفصیل کے لئے الجواب الفصیح لما لفقہ عبد المسیح کو دیکھیں) سرمایہ دارانہ نظام کی بحث سے فارغ ہو کر اب ہم اشتراکی نظام پر بحث کریں گے اور آخر میں اسلام کا معاشی نظام یعنی اعتدالیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ تاکہ صحیح موازنہ کیا جا سکے۔

اشتراکی نظام

مکتبہ [illegible] بہاولپور

کمیونزم کا تاریخی پس منظر

اسباب معیشت اور وسائل رزق کی منصفانہ تقسیم کی حد تک کمیونزم نظریات کی جھلک دور قدیم میں بھی نظر آتی ہے۔ افلاطون جو چوتھی صدی قبل از مسیح میں گزرا ہے۔ جارج سول اپنی مشہور کتاب "عظماء کے معاشی نظریات" صفحہ ۵ پر افلاطون کا معاشی نظریہ نقل کرتے ہیں۔ افلاطون حکمران طبقے کے لئے اس سے زیادہ جائیداد پر قابض رہنا مناسب نہیں سمجھتا تھا جس کی بنا پر ان کا گزارہ ہو سکے۔ ان کے نزدیک جائیداد کی مشترکہ ملکیت کا اصول عام طور پر رائج ہونا چاہیے۔ ارسطو اپنے پیش رو افلاطون کے مقابلے میں زیادہ مبصر تھا۔ اس نے اپنے مشاہدے سے جو نظریات پیش کئے وہ دور جدید کے سائنس دانوں کے نظریات کا ابتدائی پرتو پیش کرتے ہیں۔ ارسطو نے سود پر روپیہ قرض دینے کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا۔ افلاطون کے برعکس ارسطو کی رائے یہ تھی کہ جائیداد کی مشترک ملکیت نہ تو ممکن العمل ہے اور نہ اسے انسانی طبائع سے کوئی مناسبت ہے (جارج سول کی معاشیات صفحہ ۱۷)

رومی سلطنت

رومی سلطنت کا شیرازہ جب منتشر ہوا تو تمام یورپ میں جاگیرداری کا نظام قائم ہوا اور جاگیرداروں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا جو پیداوار زمین میں حسب مراتب حصہ دار تھے اور ہر بڑا جاگیردار چھوٹے جاگیرداروں سے مقررہ حصہ وصول کرتا۔ یہ غلاموں اور مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔ اس نظام میں جاگیردار کمزور طبقے پر بے حد ظلم کیا کرتے تھے جس کے ازالے کی کوئی صورت نہ تھی، کیونکہ اقتدار جاگیرداروں کے ہاتھ میں تھا جن کا مفاد مشترک تھا۔ کلیسا کو اگرچہ پورے یورپ پر اقتدار تھا اور انہوں نے دنیوی حکمرانوں کے ساتھ حصول اختیارات میں مقابلہ بھی شروع کیا۔ اور سابق دور کے برخلاف کہ روپیہ صرف مبادلہ کا ذریعہ ہے۔ لیکن روپیہ اس لئے ہے کہ اس کو دے کر جنس خرید لیا جائے، نہ یہ کہ خود اس کو جنس بنا کر پیداوار دولت کا ذریعہ قرار دیا جائے کلیسا کا پیشوا کوئی جرنیل ازیں ارسطو کی طرح سود کی مذمت کرتا تھا۔ اس نے یورپی معاشیات میں مندرجہ ذیل صورتوں میں سود وصول کرنے کو جائز قرار دیا۔

۱۔ روپے قرض دینے والا نفع حاصل کرنے کے مواقع سے محروم ہو جائے۔

۲۔ قرضہ دینے والے کو نقصان یا صدمہ پہنچے۔

۳۔ قرض لیا ہوا روپیہ ادا نہ ہو سکنے کی صورت میں نقصان کا خطرہ۔

۴۔ قرض روپے کی ادائیگی کی مدت مقررہ سے تاخیر۔

اس مذہبی فتویٰ نے یورپ میں سودی کاروبار کو فروغ دیا جس سے غریب طبقے پر خاص ضرب پڑی، پہلے وہ جاگیردارانہ نظام کے بوجھ کے نیچے پس رہے تھے۔ اب سودخواری کا حملہ بھی شروع ہوا۔

صنعتی انقلاب

یورپ میں جب سائنس کی بدولت صنعتی انقلاب آیا۔ اور بڑے بڑے کارخانے قائم ہوئے تو جاگیرداروں نے صنعت کو زیادہ نفع بخش سمجھ کر دولت کو کارخانوں پر صرف کرنا شروع کیا۔ اور اس طرح ایک حد تک جاگیردارانہ نظام صنعتی نظام میں تبدیل ہوا۔ یہ نظام برابر غیر متوازن چلتا رہا اور کارخانے کی تیار شدہ اشیاء کے منافع میں مزدور کو صرف قوت لایموت ملتا تھا اور اسی کی محنت سے بنائی ہوئی مصنوعات کی باقی سب آمدنی مالک کارخانہ ہڑپ کر جاتا تھا اور چونکہ یہی کارخانہ دار حکومت میں صاحب اقتدار تھے تو ان کی نفع اندوزی کی حرص کا اثر صرف مزدور طبقے پر نہیں پڑتا تھا۔ بلکہ من مانے نرخ مقرر کر کے اشیاء کو صرف لاگت سے بہت زیادہ قیمت پر فروخت کرتے تھے جس سے

مزدوروں کے علاوہ دیگر عوام کی معاشی زندگی بھی متاثر ہوتی تھی۔ مارکس کے استاد ہیگل نے اس بے انصافی کے خلاف آواز اٹھائی اور دیگر افراد نے بھی کوشش کی کہ کارخانوں میں تیار شدہ اشیاء کی لاگت سے زیادہ قیمت، مالک اور مزدوروں میں برابر تقسیم ہو لیکن اس نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اب سرمایہ کا پیٹ اتنا پھولا کہ اس سے طبعی طور پر کمیونزم کا بچہ پیدا ہونا ناگزیر ہوا۔ چنانچہ اب اس نظریاتی تحریک نے عملی بلکہ سیاسی تحریک کی شکل اختیار کی ہیگل خود اس فلسفہ کا موجد ہے کہ ہر مثبت ایک دعویٰ ہے اور ہر نفی جس کا جواب دعویٰ ہے۔ اور مثبت اور منفی کے بعد تطبیق رونما ہوتی ہے یہ نظریہ ہیگل کے نزدیک مادیات، روحانیات، عقائد و اعمال سب پر حاوی ہے۔ سرمایہ داری نے فرد کا حق ثابت کیا اور جماعت کا حق نظرانداز کیا۔ کمیونزم نے شخصی اور انفرادی ملکیت کی نفی کی اور جماعت کو ترجیح دی۔ بقول ہیگل اب ان دو نظریات متناقضہ کے بعد تطبیقی نظریہ کی ضرورت ہوگی میں کہتا ہوں وہ تطبیق اور اعتدال نظریہ معاشیات اسلام کا ہے جس کو ہم آگے چل کر تفصیل سے لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ

کارل مارکس جو جدید اشتراکیت کا سب سے بڑا داعی ہے اور موجودہ اشتراکیت مارکسزم کا دوسرا نام ہے۔ بائبل کے قول کے مطابق اس کے والدین یہودی تھے۔ ۱۸۱۸ء میں جرمنی میں پیدا ہوئے۔ ہیگل کی نگرانی میں اس نے ڈاکٹری کی سند حاصل کی۔ اس نے داس کیپیٹال یعنی "سرمایہ" نامی کتاب کی پہلی جلد ۱۸۶۷ء میں شائع کی۔ اس کتاب کی دوسری اور تیسری جلد مارکس کی وفات ۱۸۸۳ء کے بعد شائع ہوئی۔ مارکس تنگ دستی میں دن کاٹتا تھا۔ کچھ مالی امداد اینجلز دیتا تھا۔ اگرچہ مارکس کی بہت سی پیشگوئیاں سرمایہ داروں اور مزدوروں کے متعلق غلط نکلیں لیکن اس نے اپنے نظریات کی اشاعت کرکے ایک بااثر جماعت کو جنم دیا۔ ان نظریات نے اگرچہ اس کے دور میں ایک عظیم حکومت کی شکل اختیار نہیں کی لیکن ان نظریات کے ایک دوسرے داعی نے کہ وہ بھی یہودی تھے ان نظریات کو روس میں ایک کمیونزم حکومت کی شکل دی جس نے دین کی مخالفت کو بھی صرف اس لئے اپنے نصب العین میں شامل کیا کہ برسر اقتدار کمیونزم طبقہ نے جس کے تمام ممبران کی تعداد ۳۶ لاکھ سے زیادہ نہ تھی۔ یہ محسوس کیا کہ دین پر یقین رکھنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ کہیں دین پرستوں کی اکثریت انقلاب برپا کرکے ان سے اقتدار نہ چھین لے۔ اس لئے محکمہ تعلیم اور نشریات کے تمام وسائل کو کام میں لاکر انہوں نے دین کی مخالفت میں پروپیگنڈا شروع

کیا اور کہیں کہیں انہوں نے جبر سے بھی کام لیا تاکہ اگر موجودہ نسل پوری کمیونسٹ نہ ہو تو حکومت کے بے پناہ وسائل کے اثر سے آئندہ نسل کی تربیت ایسی ہو کہ وہ دین سے بیگانہ ہو کر کمیونزم کے سانچے میں پوری طرح ڈھل جائے اور ارباب اقتدار کی نظریاتی اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو سکے۔ اگرچہ مزدوروں کی حمایت کے نام سے ان کی حاصل کی ہوئی حکومت میں مزدوروں کے حصہ میں ملک کی آمدنی کا زیادہ سے زیادہ تین فیصد حصہ آیا۔ باقی پر حکومت قابض ہوئی اور مزدوری کی اجرت میں برائے نام اضافہ بھی کر دیا گیا لیکن اشیاء صرف پر حکومت کا قبضہ تھا۔ جن کی قیمتوں میں اضافہ کیا گیا۔ اس طرح ایک طرف اجرت میں اضافہ کرنے سے گویا مزدور کو ایک ہاتھ سے جو دیا وہ دوسرے ہاتھ سے واپس لیا گیا۔ اس کی دلیل دورۂ روس کے بھارتی وفد کے صدر دستور ما بھائی لال جی کا پارلیمنٹ میں وہ بیان ہے جو نوائے وقت لاہور کی اشاعت ۳ جنوری ۱۹۵۵ء میں درج ہے۔ صدر وفد دورۂ روس نے کہا کہ روس میں معیار زندگی پست ہے، کیونکہ ایک پاؤنڈ (ڈیڑھ پاؤ) مکھن کی قیمت ۲۱ روپے ہے ایک قمیض کی قیمت ایک سو بیس ۱۲۰ روپے ہے، ایک سائیکل کی قیمت سات سو اسی روپے ہے۔ اس لئے کم لوگ سائیکل رکھتے ہیں۔ ہندوستان کے اسّی روپے ماہوار کمانے والے شخص کا گذارہ روس کے اس شخص سے جو ہزار روپے ماہوار کماتا ہے، اچھا ہے۔

کمیونزم کی تباہیاں

خونریزی اس تحریک کی ابتدا انسان کی تباہی پر رکھی گئی ہے۔ چنانچہ روس میں قیام کمیونزم کے لئے انیس ۱۹ لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ بیس ۲۰ لاکھ کو مختلف سزائیں دی گئیں اور پچاس ۵۰ لاکھ کو جلاوطنی کی سزائیں دی گئیں۔ اسٹالین نے کمیونزم کے لئے پانچ کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا۔ (کوہستان ۱۳ر نومبر ۱۹۶۷ء)

۳ر دسمبر ۱۹۵۱ء میں پیرس کی اتحادی اسمبلی میں چینی نمائندہ نے رپورٹ پیش کی کہ کمیونزم قائم کرنے کے لئے چین نے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی پر لٹکایا۔ (رپورٹ مندرجہ انجام ۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء)

معاشی تباہی اس تحریک کا مقصد انسانوں کو سرمایہ داروں کے ظلم سے نجات دلانا تھا اس لئے کمیونسٹ حکومتوں نے ذرائع معاش پر قبضہ کیا لیکن درحقیقت

انہوں نے تمام سرمایہ داروں کو مٹا کر ذرائع معاش کو ایک سرمایہ دار کے ہاتھ میں دے دیا۔ گویا متعدد سرمایہ داروں کو ایک سرمایہ دار میں تبدیل کیا جو کمیونسٹ حکومت ہے۔ متعدد سرمایہ داروں میں عوام کے لئے یہ سہولت تھی کہ اگر ایک سرمایہ دار کی طرف سے ان پر ظلم ہو تو دوسرے سرمایہ دار کی طرف رجوع کریں اور اس کے ہاں نوکری یا مزدوری اختیار کریں۔ لیکن جب سرمایہ دار صرف ایک ہو یعنی حکومت تو عوام ظلم کی صورت میں کہاں جائیں گے۔ سرمایہ داروں کے مظالم کے ازالہ کے لئے عوام عدالت اور حکومت کی طرف رجوع کر کے ظلم کا انسداد کر سکتے تھے۔ لیکن جب واحد سرمایہ دار خود حکومت ہو تو اس کے ظلم سے بچاؤ کی کوئی تدبیر باقی نہیں رہی۔ سرمایہ داروں کے مظالم سے نجات کے لئے نشر و اشاعت کے ذریعہ، احتجاج اور مظاہروں کی شکل میں رائے عامہ پر اثر ڈال کر ظلم کا ازالہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن کمیونسٹ حکومت جو واحد سرمایہ دار ہے، اس میں یہ صورت بھی ممکن نہیں کیونکہ ذرائع نشر و اشاعت حکومت کے قبضہ میں ہیں اور ہر احتجاج اور مظاہرہ خلاف قانون ہے۔ ہڑتال کر کے مزدور سرمایہ داروں سے اپنے حقوق منوا سکتے تھے۔ لیکن جہاں روٹی خود حکومت کے ہاتھ میں ہو، وہاں ہڑتال کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہڑتال کرنے کی صورت میں ہڑتال کرنے والے روٹی کہاں سے کھائیں گے۔ بظاہر اس تحریک کو مزدور تحریک کا نام دیا گیا لیکن مزدوروں کی کمائی میں سے صرف ان کو تین فی صد حصہ ملتا ہے، باقی ہر سرمایہ پر کمیونسٹ حکومت قبضہ کرتی ہے۔

(دیکھئے "سرمایہ داری اور اشتراکیت" ص۵۳)

معاشی ترقی میں رکاوٹ

کمیونزم معاشی ترقی کے خلاف ہے

یہ تحریک فطرۃً معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ معاشی ترقی کا مدار شخصی منفعت کا جذبہ ہے۔ معاشی ترقی جو سعی و عمل و محنت سے پیدا ہوتی ہے جس کے لئے انسانی فطرت میں محرک اس کی شخصی ملکیت اور شخصی منافع اور فوائد میں اضافہ ہے۔ ہر آدمی فطرۃً یہ چاہتا ہے کہ دوسروں سے زیادہ محنت کر کے زیادہ سے زیادہ [illegible] حاصل کرے اور اپنے املاک میں اضافہ کرے۔ اگر اس جذبہ کو ختم کیا جائے اور ذرائع معاش سے بذریعہ محنت کمائی ہوئی دولت پر حکومت یا سٹیٹ کا قبضہ ہو تو کیسی ممکن ہے آدمی محنت کرے گا۔ لیکن یہ محنت اس درجہ کی محنت سے یقیناً کم ہوگی جو جذبۂ اضافۂ ملکیت کے تحت ہو۔ خواہ محنت کرنے والے کو حکومت کی طرف سے ضروریات حیات کا انتظام کیوں نہ ہو۔ کیونکہ صرف ضروریات

حیات کا جذبہ اکتساب دولت اور معاشی جد و جہد کا اصل محرک نہیں بلکہ اصل محرک جذبہ اضافہ ملکیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹ نظام نے اس غلطی کا احساس کر کے کمیونزم کے سابق نظریات میں ترمیم کر کے ایک حد تک شخصی ملکیت کو برقرار رکھنے کی اجازت دی۔ غیر فطری تحریکات کا انجام یہی ہوتا ہے۔

کمیونزم شرف انسانیت کا توڑ ہے

انسان کی اصل شرافت اس کی حریت فکر و عمل ہے۔ اگر یہ حریت نہ ہو تو انسان مقام شرف انسانیت سے گر کر ایک حیوان بن جاتا ہے۔ حیوانی زندگی کیا ہے؟ حیوان مثلاً گھوڑے بیل کا اپنا اختیار نہیں۔ وہ ہمارے اختیار کے تابع چلتا ہے۔ جو کام ہم اس سے لینا چاہیں وہی انجام دیتا ہے۔ اور پھر ہم اس کو گھاس دانہ کھلاتے ہیں۔ کمیونزم عوام سے اسی طرح کام لیتا ہے۔ جیسے انسان حیوان سے اور پھر اس کے روٹی کپڑے کا بندوبست کرتا ہے۔ کمیونزم میں سٹیٹ کے آگے انسان کے فکر و عمل کی آزادی اور اپنا منشا ختم ہو جاتا ہے اور سٹیٹ کے منشا کو پورا کرنا اس کی زندگی کا مقصد بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ انسان کی صورت میں حیوان بن کر سٹیٹ کے منشا کی تکمیل کے لئے کام کرتا ہے۔ اور اس کے عوض میں روٹی کپڑا حاصل کرتا ہے۔

کمیونزم نے حقیقی خدا کا تو انکار کیا لیکن سٹیٹ اور حکومت کے چند با اقتدار افراد کو خدا بنانے کی تلقین کرتا ہے۔ جو حقیقی خدا سے بغاوت اور اپنے جیسے عاجز مصنوعی خدا کی اطاعت گذاری کی ایک خود ساختہ شکل ہے۔ ان دونوں خداؤں میں بڑا فرق ہے۔ اصل خدا جان اور روزی دیتا ہے اور مصنوعی خدا نان دے کر جان چھینتا ہے۔ جان سے مراد شرف انسانیت ہے۔

آں خدا نانے دہد جانے دہد   ایں خدا نانے دہد جانے برد
آں خدا یکتا است ایں صد پارہ   آں ہمہ چارہ و ایں بے چارہ

کمیونزم کی بنیاد نفی پر ہے، اثبات پر نہیں۔ حالانکہ صرف نفی سے تسکین قلب نہیں ہوتی جب تک اصل خدا کا اثبات نہ ہو جو دلوں کے لئے سہارا بن سکے۔ اگر یہ سہارا اٹھ جائے تو انسان ضعیف کی پُر آلام و مصائب زندگی کے لئے کوئی سہارا باقی نہیں رہتا۔ کمیونزم کا یہ حال ہے کہ بقول اقبال:

کردہ ام اندر مقاماتش نگہ   لا سلاطین لا کلیسا لا اِلٰہ
فکر او در تند باد لا بماند   مرکب خود را سوئے اِلّا نراند

اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو کمیونزم کے یہ تینوں منفی ستون بھی غلط ہیں۔ "لا اِلٰہ" میں اصل خدا اور مطلق کا تو انکار ہے لیکن کمیونزم میں حکمران جو کہ عاجز انسان ہے، اس کی خدائی کا اقرار

ہے یعنی ذاتِ قوی کی خدائی سے انکار اور ضعیف، عاجز اور فانی کی خدائی کا اقرار ہے۔ جس طرح "لاسلاطین" میں چھوٹے بادشاہوں کا انکار ہے، لیکن "سیٹ حکمران" ایک بڑے سلطان کی سلطانی کا اقرار ہے اور چھوٹے چھوٹے ساہوکاروں کو ہٹا کر ایک بڑے اژدھا کو ان کی جگہ مسلط کرنا اقرار ہے۔ لاکلیسا میں مذہب کا انکار ہے، یعنی اصلی اور خدائی مذہب کا تو انکار ہے۔ لیکن خود ساختہ مصنوعی انسانی مذہب کا اقرار ہے جو خود کمیونزم کے اصول ہیں۔ جن کو انہوں نے مذہب سے بڑھ کر اپنے لائحہ حیات بنایا ہے۔

کمیونزم فطرتِ انسانی کے خلاف جنگ ہے

اشتراکی مفکرین کے نظریات کا خلاصہ افراد میں مصنوعی مساوات پیدا کرنا ہے، اگرچہ یہ بھی محض پروپیگنڈہ ہے، بحقیقت اس کے خلاف ہے۔ رسالہ "فریڈم فرسٹ" کی رپورٹ مندرجہ "پاسبان" کوئٹہ ۲، دسمبر ۱۹۵۲ء میں ہے کہ "استالین کی سالانہ آمدنی آٹھ لاکھ روبل یعنی تقریباً نو لاکھ روپیہ پاکستانی ہے۔ اور اشیائے ضرورت اس کو اصل لاگت سے اسّی فی صد کم قیمت پر ملتی ہے، دیگر اخراجات سرکاری ہیں" کیا یہ رعایتیں روس کے تمام افراد کو حاصل ہیں؟ یہ روسی حکمران مدعی مساوات کا حال ہے۔ لیکن اسلامی خلیفہ ابوبکر صدیقؓ کی سالانہ تنخواہ عوام کے اضافہ تنخواہ کے اصرار کے باوجود دو ہزار درہم یعنی پانچ سو روپیہ سالانہ پاکستانی سکہ سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔ سلطان عالمگیرؒ خزانہ کو قوم کا حق سمجھ کر تنخواہ نہیں لیتے تھے۔ حکومتی مصروفیات سے فارغ وقت میں قرآن نویسی سے اپنی روزی حاصل کرتے تھے۔ بہرحال مصنوعی غیر واقعی دعوی کو اگر فطرت کے اصول پر جانچا جائے تو یہ اصول فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ رزق اور مال دو ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک قوت فکریہ یعنی دماغی قوت سے دوم قوت عملیہ یعنی بدن کی طاقت سے۔ اہل القلم، وکلاء، وزراء، مدبرین وغیرہ ذہنی اور دماغی قوت سے مال حاصل کرتے ہیں اور مزدور، کسان وغیرہ بدنی قوت سے۔ خالق کائنات نے افراد انسانی میں یہ دماغی اور بدنی دونوں قوتیں مساوی نہیں رکھیں۔ بلکہ کسی حکمت کی وجہ سے متفاوت رکھی ہیں۔ نہ سب انسان ذہن، عقل اور دماغی قوت میں برابر ہیں۔ اور نہ ہی بدنی قوت میں تو جب علت اکتساب رزق میں فطرۃً تفاوت ہے تو اس کے آثار و نتائج میں بھی ضرور تفاوت ہوگا۔ کوئی زیادہ مال کمائے گا، کوئی کم۔ یہی وجہ ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں دیگر فطری امور کی طرح افراد انسانی میں مالی تفاوت کا نتیجہ ہے۔ بسا اوقات ایک باپ کے دو بیٹے آبائی جائیداد آپس میں برابر تقسیم کرتے ہیں

لیکن چند سال کے بعد ایک بیٹا اصل سرمایہ کھو دیتا ہے اور دوسرا آبائی سرمایہ میں اضافہ کر دیتا ہے، کیونکہ دونوں بیٹوں کے فطری تفاوت نے نتائج کا یہ تفاوت پیدا کیا اور وراثتی مساوات کو توڑ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصنوعی معاشی مساوات فطرت کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ فطرت جلد اس کو توڑ دیتی ہے۔ بنابراں اشتراکیت کی مصنوعی مساوات فطرت انسانی کے خلاف جنگ ہے۔

اُنظُر کَیفَ فَضَّلنَا بَعضَهُم عَلٰی بَعضٍ فِی الرِّزق

دیکھو کس طرح انسانوں کے رزق میں ہم نے تفاوت رکھا ہے (القرآن)

اشتراکیت انسانی اخوت کے خلاف جنگ ہے

اشتراکیت اور کمیونزم انسانوں کے دو طبقوں میں دوامی عداوت اور دشمنی کا بیج بوتا ہے اور ایک طبقہ کو دوسرے سے لڑاتا ہے جس سے انسانی اخوۃ اور معاشرہ پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ انسانی افراد کی محبت باہمی، عداوت باہمی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور جس طبقہ کو قوت حاصل ہوتی ہے، وہ دوسرے طبقہ کے خون بہا دینے کو عمل نیک قرار دیتا ہے۔ موجودہ دور میں بھی انسانی آبادی کو ان دو خلاف فطرت نظریات (سرمایہ داری اور کمیونزم) نے دو عظیم بلاک میں تقسیم کیا ہے اور ہر بلاک اسلحہ سازی کی دوڑ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اس ایٹمی دور میں ان دونوں بلاکوں کے درمیان جنگ ہو جو ناگزیر ہے تو انسانوں کی اکثر آبادی خاکستر کا ڈھیر ہو جائے گی اور صدیوں کی تعمیرات دونوں غیر فطری نظریات کی پیداکردہ جنگ کی وجہ سے خاک کا تودہ بن کر رہ جائے گی

سوشلزم، مذہب اور اخلاق کے آئینہ میں

(۱) سوشلزم اور مارکسیت اس سے قائم ہوتی ہے کہ انسان کو مذہب سے لڑایا جائے۔ چنانچہ دات کمیونزم از ویب صفحہ ۱۸ میں ہے کہ کمیونزم کا ممبر اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا جو صدق دل سے صاف صاف اس بات کا اعلان نہ کرے کہ وہ دہریہ ہے یعنی منکر خدا ہے۔

(۲) اینجلز لکھتا ہے کہ ہماری پارٹی طبقہ دار شعور رکھتی ہے اور مزدوروں کی آزادی کے لئے جد و جہد کرتی ہے۔ ایسی پارٹی مذہبی اعتقادات سے پیدا کردہ جہالت سے غفلت نہیں برت سکتی۔ ہمارا ایک بنیادی مقصد ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے (اینجلز صفحہ ۱۵)

(۳) مذہبی فریب خوردگی سے نجات دلانے کے لئے خلاف الوہیت (خدا) سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس کا نصب العین اس کے الفاظ میں یہ تھا کہ ہم نے آسمانی زاروں کو تو عرش سے

انار پھینکا ہے جس طرح ہم نے اس زمین کے زاروں کو انار پھینکا ہے۔ حاشیہ اشتراکیت
اور اسلام۔ مسعود عالم ص ۱۵)

(۴) مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں قدم آگے
بڑھا کر انسانی ضمیر کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرانا ہے۔

(۵) مذہب پر تنقید علم تنقید کا مبدء ہے۔ مارکس سوشلزم نمبر ص۱۹۲

(۶) مذہب عوام کے حق میں افیون کا اثر رکھتا ہے۔ (بحوالہ سابق)

(۷) مذہب از منۂ قدیمہ کی نظامی غلامی کی بازگشت ہے۔ کمیونسٹ فیلوسوفی کی تشریح
دفعہ ۵.۵ از ریڈیوف۔

(۸) ضابطۂ اخلاق جو انسانی سماج سے باہر لیا گیا ہے۔ ہمارے لئے کوئی حیثیت نہیں
رکھتا۔ یہ ایک ڈھونگ ہے۔ ہمارا ضابطۂ اخلاق طبقاتی تصادم کے مفاد کا تابع ہے (لینن)

ان مختصر جوابات سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ سوشلزم صرف ایک معاشی
تحریک نہیں بلکہ ایک جدید مذہب ہے۔ جو تمام ادیان سابقہ اور انکی تعلیمات اور اخلاقی
اقدار اور خود سرچشمۂ دین حق یعنی ذات خداوندی کے خلاف ہے اور کامریڈوں کا
درندگی کی راہ میں سے ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دین جدید یا دین یہودی کا مقصد ہے۔ دین سوشلزم
جو دشمن انسانیت ہے۔ جس کے بانی شوپن ہار مارکس و لینن ہیں جو یہودی تھے اور جن کا
قول تھا کہ ہم نے بے زبان حیوانات پر تو سواری کی، اب ہم نے اس زمانے میں انسانوں کو
سواری بنا دیا۔ جن کو جانوروں کی طرح استعمال کریں گے۔ (ملخص از تفسیر الجواہر ج۱ ص۱۲۵)
تمام لڑائیوں کے درپہ وہی یہودی تھے۔ اب سوشلزم پرستی کا خلاصہ تمام بشری
تاریخ اور تعلیمات آسمانی اور خود خدا سے کٹ کر ایک مغضوب یہودی قوم کے تین افراد
کے بنائے ہوئے لائحہ حیات یا دین سے اپنی زندگی کو وابستہ کرنا ہے۔ باقی ہم نے سوشلزم
کے متعلق جو کہا ہے کہ وہ دین ہے یہ بات غیر تحقیقی نہیں، بلکہ کمیونسٹ پارٹی کا ترجمان ڈگلس
ہائیڈ نے لکھا ہے کہ اشتراکی کارل مارکس اور انجلز کو وہ درجہ دیتے ہیں جو صحف سماویہ کو دیا
جاتا ہے۔ جس طرح چین میں ماؤزے تنگ کی لال کتاب کی چینی تلاوت کرتے کرتے ہوائی جہاز
اتارتے ہیں، یہ ان کے مذہبی جذبے کا اظہار ہے۔ جس لئے والٹیر نے کہا اگر خدا نہیں تو
ہمیں ایک خدا بنانا پڑے گا۔ یہ وہ عاجز مصنوعی خدا ہے۔ جو حقیقی خدا کی جگہ سوشلزم

کے پرستاروں سے بجوایا جاتا ہے۔

سوشلزم مزدور اور کاشتکار نوازی کے آئینہ میں

سوشلزم تحریک تبلیغی کم اور جبری
زیادہ ہے۔ جس نے اولاً اس تحریک
کے لیڈر مزدور اور کاشتکار کی خوشحالی کا نعرہ لگاتے ہیں۔ جب ان کو اپنے ساتھ ملا کر
ایک طاقتور جماعت وہ پیدا کر لیتے ہیں تو ان کے ذریعہ حکومت وقت کو الٹ دیتے
ہیں اور ان کی مزدوروں اور کسانوں کی حکومت کے نام پر اپنی حکومت قائم کر لیتے ہیں چونکہ
اس دین جدید میں اخلاق و ملکیت کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ جیسے کہ ہم نے بیان کیا تو حکومت
پھر زمین کا اکثر حصہ کسانوں اور کاشتکاروں سے چھین کر اجتماعی کاشت کے نام پر اپنے
قبضے میں کر لیتی ہے اور برائے نام چند ایکڑ بطور شخصی ملکیت کاشتکاروں کے حوالہ کر دیتی
ہے اور اگر کاشتکار زمین چھینے میں مزاحمت کرتے ہیں تو ظالمانہ طریقے سے ان کا
خون بہایا جاتا ہے۔ گویا بعد از قیام سوشلزم حکومت انکی جنگ بجائے سرمایہ داروں
کے کاشتکاروں سے ہوتی ہے۔ تھوڑی زمین جو کاشتکاروں کے پاس رہ جاتی ان کی کل
پیداوار حکومت ان سے ارزاں قیمت پر خرید لیتی ہے اور پھر جب ان کو ضرورت ہوتی ہے
تو وہی پیداوار ان پر گراں قیمت پر فروخت کر دیتی ہے۔ اسی طرح دیگر ضروریات حیات
جن پر حکومت کا قبضہ ہوتا ہے۔ حکومت ان پر عام نرخ سے گراں نرخ پر فروخت کرتی ہے
جن سے ان کی معاشی حالت اور معیار زندگی نہایت پست ہو جاتا ہے۔

سوشلزم کا مزدور

مزدوروں کو سوشلزم اور اشتراکی حکومت کارخانوں میں حیوانات
کی طرح کام پر لگا دیتی ہے۔ ان کی محنت سے جس قدر پیداوار حاصل
ہوتی ہے ان پر حکومت کا قبضہ ہوتا ہے اور انہی پر مصنوعات کو من مانی قیمت پر فروخت
کرتی ہے۔ بظاہر مزدوروں کی اجرت دیگر ملکوں سے معمولی طور سے زیادہ مقرر کی جاتی ہے
تاکہ پروپیگنڈے کا سامان ہاتھ آئے۔ لیکن اسی حاصل کردہ اجرت سے وہ اشیاء ضرورت
خریدتے ہیں جن پر حکومت کا قبضہ ہے اور انہی کی محنت سے وہ بنی ہوئی ہوتی ہیں تو اس
قدر گراں قیمت پر حکومت ان پر وہ اشیاء فروخت کرتی ہے اس طرح حکومت نے مزدوروں
کو ایک ہاتھ سے جو کسی قدر زائد اجرت دی تھی اس کا ڈبل بلکہ بعض اوقات ڈبل سے
زیادہ واپس حکومت کے پاس آجاتی ہے گویا جو ایک ہاتھ سے دیا وہ دوسرے ہاتھ سے

واپس لے لیا۔ پھر بڑی مصیبت یہ ہے کہ روس میں عام صرف کی اشیا کم بنتی ہیں اور بڑی بڑی مشینیں یا آلات جنگ زیادہ تیار ہوتے ہیں اس لئے عام ملکوں سے بلکہ غیر ترقی یافتہ ملکوں کی نسبت بھی روس میں اشیا ء صرف کی یافت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیرونی ممالک میں جاپان وغیرہ ممالک کی نسبت آپ روسی ضروریات عامہ کی چیزوں کو کم پائیں گے۔

سوشلزم مساوات کے آئینے سے

بظاہر سوشلزم ممالک مساوات کے مدعی ہیں اور یہ کہ وہاں کوئی طبقاتی فرق نہیں لیکن واقعات اس کے خلاف ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ شخصی ملکیت بڑی چیز ہے۔ لیکن واقعات اس کی تردید کرتے ہیں۔

۱۔ مندرجہ بالا امور کیلئے ہم سوشلزم مطبوعہ ۱۹۲۷ء کے چند حوالہ جات پیش کرتے ہیں۔ روس کا کل رقبہ ۲ کروڑ، ۳۰ لاکھ مربع میل ہے جس میں صرف ۶۰ لاکھ مربع میل پر روسی آباد ہیں۔ باقی ایک کروڑ، ۷۰ لاکھ پر غیر روسی آباد ہیں۔ باشندگان روس کی کل تعداد ۲۲ کروڑ ہے جس میں دس کروڑ روسی ہیں۔ باقی سب غیر روسی ہیں۔ جن میں ۵ کروڑ قتل سے بچے ہوئے مسلمان ہیں۔ محنت اور فوجی خدمت کا کام غیر روسیوں سے لیا جاتا ہے۔ غیر روسیوں کو ملک کے دور دراز علاقوں میں محنت کے لئے پھیلا دیا گیا ہے اور اعلیٰ عہدے سب روسیوں کے پاس ہیں جس سے دعویٰ مساوات کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

۲۔ روس میں زرعی عمدہ زمین کی ساڑھے اٹھانوے فیصد ۹۸½ پر اجتماعی کاشت کے سلسلے میں حکومت کا قبضہ ہے اور صرف ڈیڑھ فیصد کسانوں کی ملکیت ہے۔ لیکن اس شخصی زراعت کی آمدنی روس کی تمام آمدنی کی ۳۲ فیصد اور اجتماعی زراعت کی آمدنی کل روس کی زرعی آمدنی کا ۶۸ فیصد ہے۔ جس سے فطری شخصی ملکیت کی نفع بندی اور برتری ثابت ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کل رقبہ میں لمبے چوڑے دعوؤں کے باوجود کسانوں کے ہاتھ میں زمین صرف ڈیڑھ فی صد ہے باقی ان سے بزور چھینی گئی ہے۔ اسی کتاب میں تصریح ہے کہ کسانوں سے اجتماعی کاشت کے نام پر جو زمین چھینی گئی اس میں ایک کروڑ انسان قتل ہوئے اور سٹالین نے خود گذشتہ جنگ عظیم کے موقعہ پر مالٹا کانفرنس میں چرچل سے کہا کہ اس جنگ کے اتلاف جان سے ہم نے اجتماعی کھیتوں کے قبضے کے وقت جانوں کی زیادہ قربانی دی۔

۳۔ غیر روسیوں کے روس کے جس قدر رقبے پر سکونت ہے اس کا رقبہ ۹۵ لاکھ کیلو میٹر ہے

جو امریکہ کے کل رقبے سے زیادہ ہے کیونکہ امریکہ کا رقبہ ۹۴ کیلو میٹر ہے لیکن اس کے باوجود ان کی کمائی خود ان کے کام آتی ہے اور زیادہ روسیوں کے ہاتھ آتی ہے۔

۴۔ عوام ہوشربا گرانی کے شکار ہیں۔ بھارتی وفد جس کا صدر کستوربا بھائی لال جی تھا جب روس کے دورے سے واپس آیا تو اس نے بھارتی پارلیمنٹ میں یہ بیان دیا جو اخبارات میں چھپ گیا کہ روس میں معیار زندگی پست ہے۔ ایک پاؤنڈ مکھن کی قیمت ۲۱ روپے اور ایک قمیص کی قیمت ۱۳۰ روپیہ، ایک سائیکل کی قیمت ۸۰۰ روپیہ ہے۔ ہندوستان کا وہ ملازم جس کی تنخواہ ۸۰ روپیہ ماہوار ہو، روس کے مزدور سے خوش حال ہے جس کی تنخواہ ایک ہزار ماہوار ہو۔
(نوائے وقت ۳ دسمبر ۱۹۵۵ء)

۵۔ مساوات کا یہ حال ہے کہ سٹالن کی سالانہ تنخواہ ۸ لاکھ بیس ہزار روبل تقریباً نو لاکھ پاکستانی روپے تھی اور تیس کوٹھیوں اور چار موٹروں کے لئے ایک لاکھ روبل تقریباً سوا لاکھ کی رقم الگ مقرر تھی اور تمام اشیاء صرف کو وہ ان اشیا کی لاگت سے اسی فی صد کم پر خریدتا تھا (رسالہ فریڈم فرسٹ، مندرجہ پاسبان کوئٹہ ۲۰ دسمبر ۱۹۵۴ء)

لیکن نورالدین زنگیؒ بادشاہ اسلام جس نے متحدہ یورپ کو شکست دی تھی اس کی لڑکی جس میں دو دو کانیں تھیں جن کا کرایہ تیس دینار یعنی ۷۵ روپے ماہوار پاکستانی سکے کے برابر تھا۔ جہاد کے لئے اپنا گھوڑا نہ تھا۔ عاریتاً لیتا تھا اور جہاد سے واپس ہو کر مالک کو واپس کر دیتا تھا۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

انسانی حریت اور سوشلزم

حریت انسانی کی بنیاد شرافت ہے۔ حیوانات اس شرافت سے محروم ہیں۔ آزاد انسان ان سے کام لیتا ہے اور گھاس کھلاتا ہے۔ سوشلزم تحریک شروع میں کسانوں اور مزدوروں کی جماعت سے سب کچھ کراتی ہے۔ لیکن جب حکومت قائم ہو جاتی ہے تو اس سوشلسٹ حکومت کا پنجہ زندگی کی گہرائیوں میں اس قدر گڑ جاتا ہے کہ عوام کے افکار و عقائد سب لیڈران سوشلزم کے خیالات میں گم ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ ان سے محنت لی جاتی ہے اور لیڈر جیسا چاہتے ہیں ویسا کھانا کھلاتے ہیں۔ ان پر اگر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہوں تو وہ اُف نہیں

کر سکتے کیونکہ نہ تحریر کی آزادی نہ تقریر کی نہ اجتماع کی اور نہ جلوس کی۔ ہڑتال توڑ پھوڑ کی چیزیں ہے اور وہ ایسا کب کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کی ضروریات کی اشیاء حکومت کے ہاتھ میں ہیں۔ پریس حکومت کے ہاتھ میں ہے، تعلیم حکومت کے ہاتھ میں، خورد و نوش کا سامان حکومت کے ہاتھ میں ایسا سمجھو کہ سوشلزم ممالک کا وسیع رقبہ ایک وسیع جیل خانہ ہے اور چند کامریڈ اس کے جیلر ہیں۔ ایم۔ روائی بنشر اکی ۱۹۴۶ء میں لکھتا ہے کہ روس میں عام مزدور کی ماہوار تنخواہ ۱۱۰ سے ۴۰۰ روبل تک ہے۔ روبل تقریباً سوا روپے پاکستانی ہے۔ درمیانہ افسر تین سو ماہوار سے ایک ہزار روبل تک اونچے افسر ڈیڑھ ہزار سے دس ہزار ماہوار تک اور بہت اونچے بیس ہزار سے تیس ہزار ماہوار روبل تک تنخواہ لیتے ہیں جو اکثر روسی ہیں۔ سٹالین نے مزدوروں کی تنخواہ میں اضافے کے جواب میں کہا، مارکسزم مساوات کا دشمن ہے۔

(مارکسزم نمبر صلا) یہ حال ہے مزدور اور کسانوں کا۔

اسی غیر فطری نظام کا نتیجہ ہے کہ روس اور چین دونوں کے تجربے نے ثابت کیا کہ سوشلزم کے اس اصول پر عمل کر کہ تمام زمین پر اجتماعی کاشت ہو ناممکن العمل ہے۔ اور شخصی ملکیت ہی ہاتھ دان زراعت کو تباہ کرتا ہے۔ بلکہ سوشلزم جذبہ کار کے جوش کو ختم کرتا ہے اس لئے یہ نظام صنعتی اور زراعتی پیداوار کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے دیکھو سرکاری رپورٹیں روس اور چین کی مندرجہ سوشلزم نمبر از صلا۲۷ تا صلا۲۸۴۔

بقول اقبال مرحوم ؎

اگر تاج کئی جمہور پوشد — ہماں ہنگامہ ہا در انجمن است
ہوس اندر دل آدم نمیرد — ہماں آتش میان مرزغن است

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریق کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

مادی اور سوشلزم نظام حیات میں جب تاریخی ارتقاء ایک طے شدہ چیز ہے تو سوشلزم کے لئے پچاس سال محنت اور خون خرابہ اور قربانیوں کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ طے شدہ ارتقاء کا ظہور لازمی تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انقلاب بیرونی عامل کا جس کو مشیت الٰہی کہا جا سکتا ہے، اسی کا اثر ہے جو اس جہان کی ہر تبدیلی کا محرک ہے اور یہ ایک ماوراء الطبیعاتی عمل ہے۔ بہر حال سوشلزم کے باطن سے جو بھی واقف ہوگا، اس کو ہر غیر

سوشلسٹ ملک کا مزدور اور کسان آزاد اور خوش حال نظر آئیگا۔ پروپیگنڈے کی ساحری سے لاشعوری طور پر کچھ لوگ ضرور اسوۂ روس و چین کے شیدائی بنتے جا رہے ہیں لیکن نتائج کے موازنہ کے بعد حقیقت کھل جاتی ہے کہ ایسا کرنے سے کھویا بہت کچھ جاتا ہے اور ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ واللہ الھادی الی سبیل الرشاد

اشتراکیت اس لامحدود جبر و تشدد کا نام ہے کہ نہ کوئی قانون اس پر حد بندی کر سکتی ہے اور نہ اخلاق۔ جبری محنت شروع میں مرد اور عورت دونوں سے لی جاتی رہی اور اپنے اصلی وطن سے اکھیڑ کر لاکھوں نہیں کروڑوں خاندانوں کو بجبر دُور دراز علاقوں میں محنت لینے کے لئے دھکیلا گیا۔ پرودا کی ۲۶ جولائی ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں اس قانون کا اعلان کیا گیا کہ سٹرائک کرنے والوں کو ۵ سال قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح ملازم کی ۲۰ منٹ محنت کے لئے تاخیر سے پہنچنے کی سزا بھی ۴ ماہ کی جیل ہے۔ اس طرح انہوں نے تشدد کو ایک مقدس عمل قرار دیا۔ لینن نے صاف اعلان کیا کہ یہ مت سمجھو کہ میں انصاف کی تلاش میں ہوں۔ اب انصاف کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(بحوالہ لنا یوٹانگ صلا و صلا۲)

اشتراکیت کی اشاعت نتیجہ تشدد ہے نہ نتیجہ صداقت

اشتراکیت کی بنیاد چونکہ بغض و عداوت اور طبقاتی جنگ پر ہے۔ اسی لئے اس نظریہ کو قبول حاصل ہوا، نہ اس وجہ سے کہ اس نظریہ میں کوئی صداقت وافادیت ہے۔

غریبوں پر تشدد

شروع میں علمبرداران اشتراکیت نے کسانوں اور مزدوروں کو سبز باغ دکھایا اور ارباب اقتدار و امراء طبقہ کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت و عداوت بھر کر ان کے خلاف بھڑکایا چونکہ ہر ملک میں غریب طبقے کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ لہذا اکثریت کے درمیان مقابلہ شروع ہوا۔ ایسے مقابلے کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ اکثریت کامیاب ہو اس لئے یہ کسی صداقت کا نتیجہ نہ تھا۔ اشتراکیت کو جب حکومت حاصل ہوئی اور اقتدار ہاتھ میں آیا چونکہ اس جدید انقلاب کے اقتدار کو مضبوط کرنے میں بھی کافی وقت صرف ہونے کی ضرورت

تھی اس وقت اس تحریک کی اصل حقیقت اور اشتراکی قیادت کے وعدوں کی ایفا کی حقیقت عوام پر نہ کھل سکی جب اشتراکی حکومت مستحکم ہوگئی تو اشتراکیوں نے دوسری جنگ کسانوں سے زمین اور مویشی چھیننے کے لئے خود کسانوں سے لڑی اور جیسے کہ ہم نے نقل کیا ہے کہ اسٹالین کے اقرار کے مطابق ایک کروڑ کسانوں کو قتل کیا گیا جو سوشلزم مطبوعہ ۱۹۲۷ء کے صفحہ ۴۵ پر درج ہے۔

یہ اسٹالین کا اپنا اقرار ہے ممکن ہے کہ اصل تعداد اس سے بہت زیادہ ہو اور اشتراکیت منوانے کے لئے اس کے علاوہ روس نے ۱۹ لاکھ افراد کو موت کی سزا دی۔ ۴۰ لاکھ کو جلا وطن کیا گیا اور پچاس لاکھ کو مختلف سزائیں دیں۔

(دیکھئے حوالہ کے لئے کتاب سرمایہ دار اور اشتراکیت صد۵۲)

زمینداروں پر تشدد

چین کے نمائندہ نے اتحادی اسمبلی منعقدہ ۴ دسمبر ۱۹۵۱ء پیرس میں رپورٹ پیش کی کہ اشتراکی چین نے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی پر لٹکایا۔ دیکھو رپورٹ مندرجہ انجام ۵ دسمبر ۱۹۵۱ء کوہستان ۱۴ نومبر ۱۹۶۲ء میں ہے کہ سٹالین نے کمیونزم کے قیام کے لئے پانچ کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا یہ تشدد صرف مال چھیننے کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ ذاتی عقیدہ اور دین بھی اس تحریک کے علمبرداروں کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

دینی عقیدہ پر تشدد

چینی اخبار تن بات باؤ ہانگ کانگ ۱۱ نومبر ۱۹۶۲ء اور ہفت روزہ ایشیا لاہور ۲۴ دسمبر ۶۲ء میں چینی صدر ماؤزے تنگ کے پیروؤں اور چینی لیڈروں کا ایک پیغام چینی مسلمانوں کے نام درج ہے جس کا متن یہ ہے:-

اے مسلمانو! گوش و ہوش سے سن لو آج سے، بعد تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم اپنے چہرے پر دین کا نقاب ڈال سکو ورنہ تمہیں جلا وطن کر دیں گے۔ یا نیست و نابود کر دیں گے۔ آج کے بعد تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ تم گائے کا گوشت کھاؤ۔ اب تمہیں خنزیر کا گوشت کھانا چاہئے۔ آج کے بعد تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ تم اپنے اوقات نماز میں ضائع کرو۔ تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ قرآن کی تلاوت کرو جسے تم مقدس سمجھتے ہو۔ اے مسلمانو! پرانے

طرز کے مسلمانو تمہیں اپنی مساجد اور مدارس کو ڈھانا ہوگا۔ اپنی اسلامی تعلیمات کو توڑنا ہوگا اور تکبیر باد اور ختنے سے اجتناب کرنا ہوگا۔

اس میں شک نہیں کہ چین جمہوریہ پاکستان کا دوست ہے روس بھی دوست ہے اور بالخصوص سابق تجربہ کی بنا پر چین کی دوستی قابل اعتماد دوستی ہے۔ لیکن دوستی کا تقاضا صرف اس قدر ہے کہ ہمارے ان کے درمیان اقتصادی، تجارتی، صنعتی، فنی تعاون ہو اور ہمارا سب پڑوسی حکومتوں سے یہی طرز ہونا چاہئے۔ ان سے مادی اشیاء حسب ضرورت درآمد کریں اور ان کو بھی اپنی اشیاء برآمد کریں گے۔ لیکن ان کے خیالات اور افکار کی درآمد پاکستان کی تباہی اور انتشار کا موجب ہوں گے اور ایسے لٹریچر سے پاکستان کے پرسکون فضا درہم برہم ہوکر پاکستان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دے گا۔ اور ان افکار کی اشاعت سے ایسی ذہنیت پیدا ہوگی جو اسلام کے بنیادی اصول اور اخلاقی اقدار پر ضرب لگانے سے دریغ نہیں کرے گی اور ملک کا امن و امان درہم برہم ہو جائے گا۔ ہمارے چودہ سو سال کا قیمتی ورثہ جس کے تحفظ کے لئے ہم نے ماضی میں بھی جان مال کی بے مثال قربانیاں دیں اور تاسیس پاکستان کے وقت بھی دیں۔ اس کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ ہم جس قدر اشتراکیت کے خلاف ہیں۔ اسی قدر سرمایہ داری اور جاگیرداری کے خلاف ہیں۔ میں نے اس کتاب میں امریکہ اور یورپ کے سرمایہ دارانہ نظام کے تباہ کن نتائج تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ان دونوں نظاموں کی تباہیوں سے بچنے کے لئے اصل علاج اسلام کے معاشی نظام کو رائج کرنا ہے جو میں نے اس کتاب میں اس کا خاکہ پیش کیا ہے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ اشتراکیت میں افادیت اور انسانی زندگی سے ہم آہنگی موجود نہیں بلکہ یہ نظام سراسر خلاف فطرت ہے اور کارل مارکس اور شوپن ہیور دیلوں کی فساد انگیز تحریک ہے جس کو فطرت انسانی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں وہ صرف جبر و تشدد اور زور کے سہارے سے قائم ہے ورنہ آج اگر سوشلسٹ ممالک میں آزادانہ استصواب رائے ہو تو چند کامریڈوں کے بغیر اس کے حق میں کوئی ووٹ نہیں ملے گا۔ اس وقت جو کچھ لکھا گیا ہے وہ راہ اعتدال ہے۔ باقی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام دونوں غیر فطری اور جذباتی ہیں۔ اس لئے ان میں تجربات کے بعد روز روز تبدیلیاں کی جا رہی ہیں۔ لیکن بالفرض اگر دونوں نظریات رکھنے والوں کے دلائل

کہ اگر یہ سچ بھی مان لیا جائے تو بھی مسلمان کے لئے ان کو اختیار کرنا اور دینِ فطرت کی ابدی صداقتوں کو ترک کرنا اور اپنے تاریخی ورثہ کو خیرباد کہہ کر ماضی سے منقطع ہونے میں مسلمانوں کی موت ہے اور طاقتور بلاکوں میں سے کسی ایک کا ضمیمہ اور دُم بن جاتا ہے ۔ جو ہماری خودی کی موت ہے ۔

مغربی یا مشرقی بلاک میں ادغام موت ہے

بقول اقبال مرحوم :-

دین ہاتھ سے دے کر اگر آجائے حکومت
ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارہ

لیکن یہاں تو آجائے حکومت کا سوال ہی نہیں بلکہ آئی ہوئی حکومت کے چلے جانے کا خطرہ ہے ۔ ہماری تہذیب مغربی تہذیب میں بڑی حد تک مدغم ہو گئی ہے اب اگر افکار بھی اشتراکی ہو جائے اور تہذیب تو پہلے سے مغربی ہو چکی ہے تو مسلمانوں کی ظاہری و باطنی دونوں خوبیوں کا خدا نخواستہ خاتمہ ہو جائے گا ۔

کمیونزم نظام کے مسلط کرنے کا طریقہ

کمیونزم نظام چونکہ تمام عقلی ، دینی ، فطری نظریات کی ضد ہے اس لئے اسکو کسی ملک کے رہنے والوں پر یا کسی قوم کے افراد پر مسلط کرنے کا طریقہ خالصتہً جبری اور فوجی ہے ۔ تبلیغی اور تفہیمی نہیں جس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ گذشتہ کمیونزم اور سوشلزم کے پچاس سالہ دور میں زمین کے کسی حصہ پر یہ نظام خالص خانہ جنگی اور سرخ فوج کے تشدد کے ذریعہ مسلط کیا گیا ہے ۔ اس تحریک کی تاریخ میں ایک گاؤں یا قصبہ کا ایسا وجود نہیں ملتا کہ جبر و تشدد کے بغیر اس نے برضا و رغبت اس نظام کو اپنایا ہے ۔ اس تحریک کو مسلط کرنے کے لئے پہلا اقدام یہ ہوتا ہے کہ امیر و غریب ، مزدوروں و کارخانہ داروں ، کسانوں اور زمینداروں کو آپس میں لڑایا جاتا ہے اور غریبوں کو طمع اور لالچ دے کر سبز باغ دکھلائے جاتے ہیں ۔ جب غریب طبقہ کی امداد سے سوشلسٹ قبضہ جم جاتا ہے تو مقبوضہ علاقہ کے لوگوں پر سرخ فوج کے زور سے سوشلزم نظام مسلط کر دیا جاتا ہے ورنہ ان کو ختم کر دیا جاتا ہے ۔ آخری نتیجہ نہ صرف امیر طبقہ کے حق میں المناک ہوتا ہے بلکہ کسان و مزدور کے لئے بھی تباہ کن ہوتا ہے ۔ وہ فوراً محسوس کرتے ہیں کہ متعدد سرمایہ داروں اور زمینداروں سے سوشلسٹ تحریک نے ہمیں نجات دلائی لیکن اس نے ہمیں ایک عظیم طاقتور

اداروں واحد سرمایہ دار اور زمیندار کے آہنی و فولادی پنجہ میں کس کر رکھ دیا ہے ۔ اب ہم سب کی ذرائع اس جابر بے رحم اور خدا ناشناس حکومت یعنی کمیونسٹ اقتدار سے وابستہ ہو گئی ہیں مصائب کی چکی میں پسے جانے پر اُف تک کرنے کے مجاز نہیں سوشلسٹ حکومت کے ظلم کے خلاف نہ ہم زبان ہلا سکتے ہیں نہ قلم نہ شکوہ کر سکتے ہیں نہ شکایت ہمارے لئے اس ظالمانہ نظام کے نیچے زندگی کے جو بے شمار مصائب پیش آئے ۔ ان سے نجات پانے کے لئے کوئی راہ نہیں ۔ ان مصائب میں مرد عورتیں بالغ نابالغ سب شریک ہیں ۔ کیونکہ سوشلزم اور آمریت و جبر و تشدد لازم ملزوم ہیں اور جب عوام کو سوشلزم کے اس دھوکے کا احساس ہو جاتا ہے کہ ہم نے اس نظام پر انسانیت کا پورا ورثہ قربان کیا اور اس تحریک کیلئے دھوکے میں آ کر عوام نے جو قیمت ادا کی ہے اسکے عوض میں تمام کرۂ ارض کی سلطنت ہیچ ہے ۔ گویا سوشلزم نے ہم سے چھینا سب کچھ اور دیا کھانے کو اتنا بھی نہیں جو ایک مالک کام کر کے بعد ایک بیل یا گھوڑے کو دیتا ہے ۔ کمیونزم نے جو کچھ لیا اسکی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

(۱) خدا (۲) مذہب (۳) اخلاق (۴) انسانی آزادی اور شخصی ملکیت (۵) عورت کی عصمت

۱۔ خدا

(۱) مسٹر ازدیب اپنی کتاب واٹ کمیونزم صفحہ ۸۱۴ میں لکھتا ہے کمیونزم کا ممبر اس شخص کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا جو صدقِ دل سے صاف صاف اس بات کا اعلان نہ کرے کہ وہ دہریہ اور منکرِ خدا ہے ۔

(۲) اینجلز جو کارل مارکس کا ساتھی اور کمیونزم کے بانیوں میں سے ہے لکھتا ہے ۔ ہم نے آسمان کے زاروں کو عرش سے اتار پھینکا جیسے زمین کے زاروں کو تخت سے اتار پھینکا ۔ اشتراکیت اور اسلام مسعود عالم ندوی صفحہ

(۳) خیال پرست (یعنی خدا ماننے والے) دُنیا کے واقعات میں عقلِ کل یعنی خدا کو کارفرما جانتے ہیں لیکن حوادث و واقعات متحرک مادے کی مختلف شکلیں ہیں جنہیں آفاقی روح یعنی خدا کی حاجت نہیں مارکس فلسفہ باب دوم صفحہ ۴۳

۲۔ مذہب

(۱) مذہب کے حصول ایک سوشلسٹ کے نزدیک ازمنہ قدیم کے نظامِ غلامی کی آواز بازگشت (۲) مذہب عوام کے لئے افیون ہے (۳) اینجلز کہتا ہے مذہب کی مخالفت ہمارے لئے قدرتی بات ہے ۔ اشتراکیت اور مذہب صفحہ ۳۴ (۴) مارکس کہتا ہے ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانی ضمیر کو مذہب سے آزاد کرانا ہے ۔ مارکس سوشلزم نمبر صفحہ ۱۹۴

(۵) کتاب اینجلز صفحہ ۱۵ میں اینجلز اعلان کرتا ہے۔ ہمارا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مذہبی فریب خوردگی سے نجات دلانے کے لئے خلاف اربیت سوسائیٹی کا قیام وجود میں لایا گیا ہے۔
(دیکھئے اشتراکیت اور اسلام صفحہ ۸)

۳۔ اخلاق سوشلسٹوں کے نزدیک اخلاق کی کوئی حقیقت نہیں۔

(۱) لینن کہتا ہے۔ ضابطہ اخلاق جو انسانی سماج سے باہر مافوق الفطرت ہستی یعنی خدا سے لیا گیا ہے ہمارے لئے وہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا یہ ایک ڈھونگ۔ ہمارا اخلاق طبقاتی تصادم یعنی امیر و غریب کو لڑانے کے مفاد کا تابع ہے۔

(۲) مارکس کہتا ہے اخلاقیات انسان کے اپنے پیدا کردہ ہیں اور انسان کو حقیقی زندگی اسکی خواہشات ارادوں کا عکس ہوتی ہے

(۳) اشتراکی اخلاق کو بنیاد افادیت یعنی مادی فائدہ حاصل کرنے پر مبنی ہے جس کے حصول کے لئے جھوٹ، چوری، دھوکہ، فریب، خیانت درست ہے۔
ان سب کے لئے دیکھو۔ اشتراکیت اور اخلاق صفحہ ۹۵ تا صفحہ ۹۹

(۴) کتاب کمیونزم کا   کا مصنف لکھتا ہے کہ نیکی بدی خیر و شر کا صرف ایک خلاق اصول رائج ہے کہ ہر فعل جو اشتراکیت کے لئے مددگار ہو وہ خیر ہے اور جو مزاحم ہو وہ شر ہے۔
(دیکھو اشتراکیت اور اخلاق صفحہ ۹۹)

۴۔ شخصی ملکیت اور آزادی سوشلزم کا مقصد متعدد زمینداروں (؟) کارخانہ داروں کو ختم کر کے ایک بڑا زمیندار اور کارخانہ دار یعنی کمیونسٹ حکومت کی تحویل میں سب کچھ دینا ہے۔ اور افراد اور عورتوں کے لئے اجتماعی فارم کے ذریعے کام متعین کرنا اور ڈپارٹمنٹ کے ذریعہ خوراک وغیرہ کا انتظام کرنا۔ دیکھو سوشلزم نمبر مطبوعہ ۱۹۶۰ء

اب ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں انسانی شرافت اور آزادی کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور انسان کمیونسٹ حکومت کے ہاتھ میں ایک مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ گویا سوشلزم اختیار کرنا انسانیت کا سودا کرنا ہے۔ اور شرافت انسانی سے دستبردار ہونا ہے۔

۵۔ عصمت (۱) ہر مرد اور عورت حسب منشا ایک دوسرے سے جنسی نفع حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ شادی اسی کا نام ہے (۲) حرامی کا لفظ اشتراکی لغت میں نہیں۔ حرامی اولاد نکاحی اولاد کی نسبت مقدس سمجھی جاتی ہے۔ کہ اس میں اشتراکی

روح موجود ہے۔ (دیکھو اشتراکیت مذہب اور اخلاق صفحہ ۸۹، ۹۱) (۳) کارل مارکس (کتاب صفحہ ۱) میں مارکس کہتا ہے بھائی بہن کے ازدواجی تعلقات میں کوئی عیب نہیں اور نہ عصمت کا نقصان ہے۔ اشتراکیت مذہب اور اخلاق صفحہ ۹۰

ان اصول کے تحت کمیونسٹ ممالک کا پورا رقبہ ایک مکمل قحبہ خانہ ہے اس لئے اس میں طوائف کا الگ انتظام نہیں۔ اشتراکیت صفحہ ۹۸ میں سید مظفرالدین ایم اے کا واقعہ درج ہے جبکہ وہ حبیبیہ کالج کابل میں پروفیسر تھے۔ سید موصوف کو روسی سفارت خانہ نے دعوت دی۔ جب وہ سفارت خانہ میں داخل ہوئے تو چند دوشیزاؤں نے انکا استقبال کیا اور شراب پیش کی گئی جس سے انہوں نے انکار کیا۔ بعد میں جب انہوں نے دریافت کیا کہ یہ دوشیزائیں کون ہیں۔ کہا کہ یہ روسی ترکستان کی مسلمان نوجوان لڑکیاں ہیں جو ہوائی جہاز کے ذریعہ روسی سفارتخانہ کے پورے سٹاف کے لئے لائی گئی ہیں۔ پورا سٹاف ان سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے اور ۱۵ دن کے بعد ہوائی جہاز سے انکو واپس اپنے ملک پہنچا کر دوسری نوجوان لڑکیاں بلائی جاتی ہیں۔ اس طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے
صفحہ ۵۴

ایک بالشویک لیڈر کسانوں کو کہتا ہے۔ ہم نے تمہارے مویشی ہتھیا لئے اب تمہاری بیویوں اور بیٹیوں کو بھی مشترک بنا کر اپنے ساتھ ملائیں گے۔ صبح سمرقند صفحہ ۱۰۵

آزاد محبت کے نام سے مختلف مقامات پر گھروز بنائے گئے ہیں یعنی بافات (؟) ان میں افریقی راتوں کے نام پر لڑکیوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اشتراکی اخبار پروادا لکھتا ہے ہم جس قدر اپنی حیوانیت سے دور ہو جاؤ گے اسی قدر تم اشتراکی ہو گے۔ اشتراکیت مذہب اور اخلاق صفحہ ۸۵ اور ۱۰۳

ان پانچ امور کے نتائج (۱) اب وسط ایشیا میں کوئی مسلمان نہ رہا جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔

(۲) مساجد بالشویک حکومت کے دفاتر بن گئیں۔ پھر ان کو الحادی سکولوں میں بدل دیا۔ صبح سمرقند صفحہ ۲۵

(۳) کمیون شادی یعنی اباحت مطلقہ کہ ہر مرد ہر عورت سے جب چاہے جنسی فائدہ اٹھا سکتا ہے اس تحریک کے جلسے مساجد میں ہوتے ہیں۔ صبح سمرقند صفحہ ۲۴

(۴) مرد عورت کا آزادانہ جنسی اختلاط مروج ہوا۔ ص ۲۸۶
(۵) دینی عقائد کو خرافات قرار دیا گیا۔
(۶) سوویٹ ایشیا میں پورے مذہبی مدرسے بند کر دیے گئے۔ ص ۲۳۴
(۷) پابند اسلام مسلمانوں کو روزگار سے محروم کیا گیا۔ ص ۱۹۲
(۸) نئی مسجد کی تعمیر اور نئے شہروں میں مساجد بنانا بند کیا گیا۔
(۹) ستالن آباد میں کوئی مسجد نہیں۔ ص ۲۳۴
(۱۰) ۴۰٪ عورتوں کو سخت محنت کے کاموں پر لگایا گیا۔
(۱۱) مسلمانوں کو بطور تحریک کے اسلام سے منحرف کیا گیا۔ ص ۱۸۱
(۱۲) ان سب باتوں کے باوجود مسلمانوں نے بھوک اور افلاس کے سوا کچھ نہیں پایا۔
(۱۳) خان اور بیگ کو بے دریغ قتل کیا گیا۔ مذہب اور اخلاق ص ۹۳

مسٹر ویب اپنی کتاب اشتراکی روس ص ۱۱ میں لکھتے ہیں ترکستانی مسلمانوں کی کایا پلٹ کرنے کیلئے قوت اور دباؤ سے کام لینا بہت ضروری ہے۔ ایمن باریوس روسی ایشیا ص ۱۰۴۸ پر لکھتے ہیں بخارا کو کمیونسٹ شہر تبدیل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ کمیونسٹ کی آمد سے پہلے ترکستانی مسلمانوں یا فنا کر دیا جائے یا نظر بند کیا جائے۔ اشتراکیت کی مدد کیلئے اگر خون کی ندیاں بہانا پڑیں تو اس سے بالکل دریغ نہ کیا جائے۔ اشتراکیت پھیلانے کے سلسلے میں تین لاکھ یمنی مسلمان اور تیس ہزار مصری مسلمان خود مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ دیکھو کتاب مصر و یمن ص ۹

اشتراکیوں نے انڈونیشیا میں اشتراکیت پھیلانے کے لئے مسلمان کو مسلمان کا دشمن بنایا جس سے ان کا مقصد گیارہ کروڑ مسلمان آبادی کو کمیونسٹ بنانا تھا۔ اس میں جو املاک مسلمانوں کے تباہ ہوئے اس کا صحیح حساب نہیں لگایا جا سکتا۔ لیکن اس انقلاب میں بیس لاکھ مسلمانوں کی قیمتی جانیں تباہ ہوئیں۔ دیکھو انڈونیشیا میں کمیونسٹ سازش ص ۲۳۔ اس انقلاب کو غیور مسلمان نوجوانوں نے ناکامیاب بنایا۔ تقریباً یہی سب کچھ عراق شام مصر الجزائر میں بھی ہوا۔

ازالہ شبہ سوال: کیا اسلام نے عملی رنگ میں کامیاب معاشی نظام پیش کیا ہے جو روس اور چین نے پیش کیا۔

جواب: روس اور چین نے جو معاشی نظام پیش کیا، اس میں خون کی ندیاں بہا دی گئیں اور انسانی حریت کو چھین کر اسکو اپنے مقصد کے لئے کمائی کا جانشین بنا دیا۔ لیکن اسلام نے اپنے نظام قائم کرنے میں نہ جبر کیا نہ آزادی سلب کی جس کا خون بہایا۔ لا اکراہ فی الدین دین اسلام میں جبر نہیں (قرآن) پھر بھی اشتراکیت کامیاب نہیں ہوئی نہ وہ مساوات قائم کر سکا اب بھی روس میں تنخواہوں کا تفاوت ۱۱۰ ماہوار سے تیس ہزار ماہوار تک ہے جو کسی سرمایہ دار ملک میں بھی نہیں۔ اور جب روس اور چین میں انفرادی ملکیت ختم کرنے سے زرعی پیداوار کم ہوئی اور قحط پڑا تو دونوں جگہ پر محدود شخصی ملکیت قائم کی گئی جس کے بنانے کیلئے کروڑوں انسان قتل کئے گئے تھے۔ دیکھو مارکس جنڈ دی ہیومن اپ ونڈ ص ۱۴۹۔ لیکن اسلام نے اپنے دور نفاذ میں امیر مملکت اور عام مسلمان کی آمدنی یکساں کر دی اور دور عمر بن عبد العزیز میں کشمیر سے مراکش تک ایک فرد بھی محتاج نہ مل سکا جسکو ہم اسلامی معاشی نظام میں ذکر کریں گے۔

ایک انگریز سیاح نے دور شاہجہاں میں متحدہ ہندوستان کا سفر کیا تو صاف لکھا کہ کل دنیا میں ہندوستان کے امن و امان اور خوشحالی کی نظیر نہیں حالانکہ اس وقت اسلام کا مکمل نظام حیات نافذ بھی نہ تھا۔ اسلام نے آزادی جمہوریت معاشی خوشحالی اور مساوات فطری کی جو عملی تاریخی شواہد پیش کئے پوری انسانی تاریخ میں اسکی مثال نہیں مل سکتی۔ باقی یہ کہ اس نظام کو دوام نصیب نہیں ہوا تو اس میں نظام کا قصور نہیں بلکہ یہ سب کچھ ان بیرونی اسباب سے پیش آیا جس کا مفصل تذکرہ ہم اسلام کے معاشی نظام میں ذکر کریں گے اور جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہوا تھا اور بہت سی مختلف قومیں اسلام کے دائرے میں آگئیں جن کو ابھی تک نظام حیات اسلامی کی تربیت حاصل نہیں ہوئی تھیں۔ اور نہ ان میں اب تک مادی اور روحانی توازن کا صحیح معیاری پورا اعتدال قائم ہوا تھا بلکہ مادیت کا پلڑا ابھی تک بھاری تھا۔ وہی افراد اس نظام کے چلانے میں دخیل ہوئے جو نظام اسلام کو صحیح انداز پر چلانے میں نہ ہو سکے۔ قانون ہے کہ ہر نظام چلانے کے لئے اسی نظام کے مطابق اہلیت کی بھی ضرورت ہے اگر مناسب اہلیت نہ ہوئی تو نقصان واقع ہوگا۔ لیکن سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کے چلانے والے ان دونوں نظاموں کے چلانے کی پوری اہلیت رکھتے ہیں کیونکہ یہ دونوں نظام خالص مادی ہیں اور چلانے والے بھی خالص مادی نظریہ حیات کے حامل ہیں۔ پھر بھی ان میں جو کچھ ناکامیابی ہوئی ہے وہ نظام کی وجہ سے ہے۔ نہ نظام چلانے والوں کی وجہ سے یہ ہر دو

نظام غیر فطری اور غلط ہیں کیونکہ ابھی تک ان دونوں نے انسان کو امن دیا نہ معاشی خوشحالی۔ لیکن اسلامی نظام نے ان کے خلاف انسانیت کو امن اور خوشحالی سے ہمکنار کیا اور اولیں مسلسل اور باقی ادوار میں جب بھی اسکو اچھے کارکن ملے اسی فرق کی وجہ سے اسلامی نظام حیات درست ہے اور باقی نظام غلط ہیں۔ اسلامی نظام میں کوئی نقص نہیں صرف رجال کار کی ضرورت ہے جیسے ایک موٹر بے نظیر ہو لیکن صحیح ڈرائیور نہ ملے اور معطل رہے تو اس موٹر کا کیا قصور۔ لیکن سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کی موٹر ہی ایسی ہے جو مطلوبہ نتائج اور منزل مقصود تک پہنچنے کی قابل نہیں چاہے چلانے والا کیسا ہی ماہر ہو کیونکہ ان دونوں نظاموں نے اپنی پوری تاریخ میں منزل مقصود تک رسائی اور مطلوبہ نتائج یعنی امن اور خوشحالی کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی۔

اشتراکی نظام اور انسانی فطرت

اشتراکیت کا پورا نظام چونکہ خالص جذباتی نظام ہے۔ اس لئے یہ نظام سراسر عقل اور انسانی فطرت کے خلاف جنگ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ غیر فطری امر کو انسان جبر و تشدد کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ کمیونسٹ ممالک سے اگر ایک لمحے کے لئے بھی جبر و تشدد ہٹ جائے تو وہاں کے عوام اس نظام کو توڑ کر اپنی اصلی فطرت پر آجائیں گے۔ لہٰذا یہ تحریک قہری و جبری تحریک ہے جس وقت آہنی شکنجہ ٹوٹ جائے گا تو یہ تحریک پارہ پارہ ہوجائے گی۔

اختصاص فطری کے خلاف جنگ

اشتراکی نظام جبری ہے اور اختصاصی نظام فطری ہے یعنی انسانی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ آزاد ہوکر جائز طریقے سے اپنے لئے رزق کمائے اور اس کی کمائی ہوئی دولت مساکین کے حقوق کی ادائیگی کے بعد اس کی ذات، اور اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثہ سے مختص ہو۔ یہ اختصاص فطرت انسان میں موجود ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں کہ وہ اختصاصی جذبے سے خالی ہو۔ اب اشتراک اس اختصاص فطری کی ضد ہے کہ خاص چیز کو عام اور مشترک قرار دیا جائے۔ اس کی مثال بعینہٖ پانی کی طرح ہے کہ پانی کی فطرت سرد ہونا ہے۔ اب اگر پانی کو آگ پر رکھا جائے یا دھوپ میں رکھا جائے تو اس میں آگ یا دھوپ نے بالجبر اور فطرت کے برخلاف گرمی پیدا کی۔ لہٰذا جب تک آگ یا دھوپ کا تعلق اور تسلط رہے گا۔ پانی اپنی فطرت کے برخلاف گرم رہے گا لیکن جب پانی پر سے آگ یا دھوپ

کا تسلط ختم ہوگا۔ تو پانی بغیر کسی بیرونی سبب کے خود بخود سرد ہو جائیگا۔ اسی طرح کمیونسٹ عوام کی فطرت سے جس وقت اشتراکیت کا تسلط ختم ہوجائے گا۔ تو فوراً اشتراکیت کی جگہ اختصاصیت آجائے گی جو فطرت انسانی ہے۔

شخصی آزادی کے خلاف جنگ

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ اکتساب رزق اور مالکانہ اختیارات میں آزاد ہو۔ حیوانات کی طرح دوسروں کا آلہ کار نہ ہو۔ لیکن اشتراکی نظام اسی فطری جذبے کو ختم کردیتا ہے۔ ہم نے لینن کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اشتراکیت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اس سے پہلے گھوڑے پر سوار ہوتا تھا۔ اب انسانوں پر سوار ہوگا۔ تمام قومیں حق خود اختیاری کو تسلیم کرتی ہیں اور سیاسی آزادی کے لئے لڑ رہی ہیں لیکن اگر سیاسی غلامی کے ساتھ شخصی غلامی بھی شامل ہوکر انسان کا شرف انسانیت ختم ہوجاتا ہے اور وہ ریاست کو کمانے کیلئے ایک جامد مشین بن جاتا ہے جس سے اس کا فطری حق اور انسانی اختیارات ختم ہوجاتے ہیں۔ اشتراکیت اسی فطری جذبۂ انسانیت کے خلاف جنگ ہے۔

انسانی معاشرے کی تنظیم حاجت باہمی پر مبنی ہے اشتراکیت اس کے خلاف جنگ ہے

انسانی معاشرے کا فطری تقاضہ یہ ہے کہ افراد معاشرہ میں باہمی ارتباط ہو۔ اس لئے فطرت نے انسان کو ایک دوسرے کا محتاج بنادیا ہے، تاکہ معاشرہ مستحکم اور مربوط ہو اور یہ حاجت فطرت نے دو طرفہ رکھی ہے۔ صاحب مال مزدور کے عمل کا محتاج ہے۔ اور مزدور اجرت عمل کا محتاج ہے۔ یہ دو طرفہ حاجت قائم ہو تو افراد معاشرہ باہم دگر مربوط ہوں گے۔ لیکن اگر سب ریاست کیلئے کام کریں تو رابطہ ریاست سے تو رابطہ ہوگا۔ لیکن آپس میں ارتباط ختم ہوجائے گا۔ قرآن میں لیتخذ بعضھم بعضا سخریا سے اسی کی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اشتراکیت انسانی اخلاق فاضلہ کے خلاف جنگ ہے

انسان کی بلندی اس کے اخلاقی فاضلہ سے وابستہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر احسان کرے، ایثار کرے، ہمدردی کرے

رحمت وشفقت برتے لیکن اگر سب یکساں طور پر صرف ریاست کے کارندے ہوں تو یہ فطری شریف اخلاق ختم ہو جاتے ہیں، کیونکہ غیر فطری مساوات میں ان اخلاق کے ظہور کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

اشتراکیت انسان کی فطری تفاوت کے خلاف جنگ ہے

مال کمانے کے لئے فطرت نے انسان کو دو قوتیں دی ہیں فکری قوت جس کے ذریعہ تعلیم یافتہ طبقہ مال کماتا ہے اور جسمانی قوت جس کے ذریعے مزدور کسان کماتے ہیں۔ فطرت نے انسان کی فکری قوت بھی یکساں نہیں رکھی کوئی ایک وقت میں کمزوری کی وجہ سے کم کام کرتا ہے، کوئی قوت کی وجہ سے زیادہ، جب کمانے کے اسباب میں فطری تفاوت موجود ہے تو اس کے نتیجے میں یعنی مال میں بھی تفاوت ہوگا کوئی کم مالدار کوئی زیادہ ہوگا۔ اس لئے اشتراکیت کی مصنوعی مساوات اس فطری تفاوت کے خلاف جنگ ہے۔

اشتراکیت میلان الی اللہ کے خلاف جنگ ہے

انسان کی فطرت میں اگر جسمانی طور پر کھانے پینے کی طرف میلان موجود ہے تو روحانی طور پر اس کے اندر فطرۃً خدا کی محبت اور میلان بھی موجود ہے اور انسان کی پوری تاریخ اس فطری جذبۂ محبت خداوندی کا مظہر ہے۔ لیکن اشتراکیت اس حقیقی خدا کی محبت کے خلاف جنگ ہے اور انسانوں پر چند کامریڈوں کی خدائی مسلط کرتا ہے

مکتبہ شمس الحق افغانی بہاولپور

اشتراکیت کے بنیادی افکار پر تنقید

(۱) فکر اشتراکیت کی شریعت میں کارل مارکس کو پیغمبر کی طرح تقدس حاصل ہے اس لئے ہم مارکسی فلسفہ کے افکار اس کی کتاب (سرمایہ) سے نقل کرکے اس پر تنقید کرتے ہیں تاکہ اس کی تضاد بیانی اور افکار کی ژولیدگی ناظرین پر واضح ہو جائے۔ ہیگل افلاطونی فلسفہ کی طرح افکار و تصورات کو اصل مؤثر و عامل اور حقیقت سمجھتا ہے اور فطرت کائنات اور انسانی تاریخ اور واقعات کو اس کا تابع سمجھتا ہے۔ لیکن ہیگل کا متبع مارکس تصوریت

کو خارجیت کا تابع سمجھتا ہے۔ لیکن واقع میں دونوں نظریات کلی رنگ میں غلط اور خلاف ہیں بعض جگہ تصوریت اصل اور خارجیت تابع ہے، جیسے ایک انجینئر ایک

تنقید چھاؤنی کا نقشہ ذہن میں تصور کرتا ہے اور یہ فرض کیا جائے کہ وہ نقشہ صرف اختراعی ہے اور اس کی نظیر پہلے سے موجود نہیں تو اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ اس تصور کے بعد جب وہ چھاؤنی تعمیر پاتی ہے تو یہاں تصوریت اصل ہے اور چھاؤنی کا خارجی وجود اس کا تابع ہے کہ اس تصور نقشے کے تحت وہ ظہور میں آیا اس لئے مارکس کا ہر جگہ خارجیت کو اصل اور تصوریت کو تابع قرار دینا غلط ہے۔ لیکن بعض حالات میں خارجیت اصل ہوتی ہے اور تصوریت تابع مثلاً ہم نے ایک بوٹی کو ایک مرض کے لئے بار بار استعمال کیا اور وہ اس مرض میں مفید ثابت ہو کر اس نے مرض کو دور کیا تو اس خارجی عمل سے ایک تصور قانون تعلیل کا پیدا ہوا کہ فلاں بوٹی فلاں مرض کے ازالہ کی علت ہے۔ اسی طرح سائنس کے تمام مادی تجربات کا حال ہے کہ پہلے خارجی وجود میں اشیاء کا تجربہ کیا جاتا ہے پھر ایک قانون کا تصور پیدا ہوتا ہے کہ مثلاً پانی سے بجلی اس طرح پیدا کی جاتی ہے اور اسٹیم اس طرح پیدا ہو کر اس کے ذریعہ گاڑی چلائی جاتی ہے۔ یہاں پر خارجی تجربات پہلے کئے جاتے ہیں اور ان سے تصوری قانون تعلیل بعد میں پیدا ہوتا ہے۔ ان تمام صورتوں میں خارجیت اصل ہے اور تصوریت تابع ہے۔ لہذا مارکس کا یہ نظریہ غلط ہے کہ تمام صورتوں میں تصوریت تابع اور خارجیت اصل ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں مادی فلسفیوں کو یہ اقرار ہے کہ خارجیت اور تصوریت لازم و ملزوم ہیں لیکن اس کے باوجود مادہ اور اس کی حرکت کو ازلی مانتے ہیں اور فطرت کائنات کو حرکت مادہ کا نتیجہ تسلیم کرتے ہیں اور یہ کہ نہ خدا کی ضرورت ہے اور نہ فطرت کائنات کے وجود کے لئے ارادہ کی حاجت ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خارجیت کے ساتھ تصوریت ضروری ہے یا پہلے یا پیچھے تو مادہ اور اس کی حرکت کو جب عالم خارجیات کے لئے خدا کے مقام پر رکھا گیا تو وہ باتفاق فلاسفہ شعور اور علم اور تصور سے خالی ہے تو تصوریت کہاں سے آئیگی یہ تناقض اور تضاد ہے۔

(۲) فکر مارکس کہتا ہے کہ مذہب جن اسباب و عوامل سے پیدا ہوا وہ خوف و بیچارگی کا احساس ہے اب فطرت خارجی پر ایک حد تک انسان

نے قابو پا لیا اس لئے خوف و دہشت باقی نہیں رہی تاکہ مذہب کا سہارا لینے کی ضرورت ہو۔

تنقید مارکس کا فلسفہ بھی سو فی صدی غلط ہے کہ :-

(۱) مذہب خوف سے پیدا ہوتا ہے اگر یہ درست ہے تو اشتراکی مذہب بھی معاشی خوف سے پیدا ہوا۔

(۲) فطرت خارجی پر قابو پانے سے خوف زائل ہوا۔ اگر زائل ہوا تو پھر اشتراکی مذہب کیوں پیدا ہوا جب کہ فطرت پر قابو پا لیا گیا ہے۔ کیونکہ اشتراکیت بھی ایک مذہب ہے جیسے ہم نے اسی کتاب میں ثابت کیا ہے۔ اور کیا اس وقت جب کہ فطرت پر قابو پا لیا گیا ہے۔ خوف زائل ہو گیا یا اس میں لاکھوں گنا ترقی ہوئی خصوصاً ایٹم کی دریافت کے بعد لہٰذا فطرت پر قابو پانے سے خوف کا دور ہونا بالکل غلط ہے۔ اس کے علاوہ صحیح مذہب کی بنیاد خدا کی توحید پر ہے۔ اگر بقول مارکس اس دور میں توحید ماننے کی ضرورت نہیں کہ فطرت پر قابو پا لیا گیا ہے اور اس نے خوف دور کیا تو اس دور میں خدا پر قابو پا لیا گیا کہ اس سے خوف نہ کیا جائے یا یہ کہ اس دور میں اس کی قدرت کی وسعت اور زیادہ منکشف ہوئی کہ کائنات میں اس نے نہایت حکیمانہ قوانین و ضوابط رکھے ہیں۔ جن کی وجہ سے سائنس ظہور میں آئی کیونکہ سائنس دریافت کردہ قوانین قدرت کا نام ہے اور کیا چودہ سو سال قبل جب اسلام نے توحید باری تعالیٰ پھیلائی اور بے شمار معبودان باطل کا خوف زائل کیا تو اس وقت فطرت پر قابو پا لیا گیا تھا؟ اگر نہیں تو فطرت پر قابو پا لینے کو ازالہ خوف میں موثر سمجھنا غلط ثابت ہوا۔ نیز مادہ اور اس کی حرکت کو ازلی سمجھنا جو مادہ پرستوں کا مذہب ہے یہ کس خوف کا نتیجہ ہے۔ مشرکی مذاہب کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے غیر اللہ کے خوف سے شرک اختیار کیا لیکن جب اسلام نے کروڑوں انسانوں سے شرک کو ختم کیا اور صرف اللہ کے خوف کو قائم رکھا تو انہوں نے ازالہ خوف تبلیغ اسلام سے کیا یا فطرت پر قابو پانے سے۔

(۳) **فکر** مسئلہ اضداد جس کو آج کل اصطلاح میں جدلیات بھی کہتے ہیں مارکس کہتا ہے کہ ہر نظام زندگی ہر تصور ہر مادی شے اور معاشرتی حالت اپنے اندر ایک ضد کی پرورش کرتی ہے جو ایک خاص وقت پر ظاہر ہو کر

اس سے متصادم ہوتی ہے اور اس تصادم سے ایک نیا نظام نیا تصور نئی مادی شے یا نئی معاشرتی حالت پیدا ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہر شے دو متضاد حقیقتوں یا متضاد صفات کا مجموعہ ہوتی ہے۔ مثلاً ایک لکڑی سخت ہے کہ اس پر چیز رکھی جا سکتی ہے اور نرم بھی کہ اس میں میخ ٹھونکی جا سکتی ہے۔ یہ فلسفہ اضداد ہیگل سے ماخوذ ہے۔

تنقید ان دونوں فلسفیوں نے اضداد کا مفہوم غلط سمجھا ہے۔ دو چیزوں میں فرق اور چیز ہے اور تضاد اور چیز ہے۔ انگلینڈ اور انگریزوں میں فرق ہے۔ لیکن تضاد نہیں۔ خود اطالوی فلسفی نے بھی فلسفہ اضداد کی تردید کی جس کا نام کروس ہے وہ لکھتے ہیں کہ ان دونوں نے دو چیزوں کے فرق کو تضاد سمجھا ہے۔ جو غلط ہے۔ مذہب اور آرٹ اور فلسفہ میں فرق ہے لیکن آپس میں ضد نہیں۔ جن تصورات کو ایک دوسرے کا ضد قرار دیا جاتا ہے وہ ایک اصل کے دو فروع ہیں اور ایک دوسرے کے مکمل ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہر نظام زندگی اپنی ضد کی پرورش کرتا ہے جو ایک خاص وقت پر ظاہر ہو کر اس سے متصادم ہوتی ہے جس سے نیا نظام پیدا ہو جاتا ہے۔ اصولی طور پر اس میں ایک غلطی تو یہ ہے کہ اگر جدید نظام کی پیدائش اضداد کے تصادم کا ایک طبعی نتیجہ ہے تو اشتراکی نظام نے مسئلہ اضداد کے تحت خود بخود پیدا ہونا تھا تو اس کے لئے کروڑوں انسانوں کی تباہی اور جد و جہد کی کیا ضرورت تھی اس خاص وقت کا کیوں انتظار نہیں کیا گیا جس سے مسئلہ اضداد کے تحت پرامن طریقے سے نظام اشتراکی پیدا ہو جاتا جب کہ مسئلہ اضداد کے تحت وہ اس خاص وقت سے پہلے پیدا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر ایک چیز بشکل مادہ ایک مقررہ وقت پر پیدا ہوتا ہے تو اس میں ہنگامے برپا کرنے کی کیا ضرورت؟ دوسری غلطی یہ ہے کہ اگر مارکس کا نظریہ درست ہے تو ہر نظام کی طرح اشتراکی نظام بھی اپنی ضد کی پرورش کرتا ہو گا۔ پھر مستقبل میں ایک نیا مختلف نظام تصادم اضداد سے پیدا ہو گا جس سے یہ ثابت ہوا کہ ہر نظام کی طرح تصادم اضداد کے قانون کے تحت اشتراکی نظام بھی کوئی مستقل نظام نہیں اس کو ختم ہونا ہے۔ تیسری غلطی یہ ہے کہ جب ہر نظام ہر تصور اور ہر مادی چیز قانون اضداد کا قدرتی نتیجہ ہے تو انسانی سعی و عمل و جد و جہد محض بیکار اور لغو ہے۔ ان تینوں غلطیوں سے معلوم ہوا کہ مارکس اس نظریہ میں تضاد کا شکار ہوا

ہے اور متضاد راہوں پر گامزن ہے۔ چوتھی غلطی یہ ہے کہ ان دو فلسفیوں کا یہ کہنا کہ ہر مادی شے اپنی ضد کی پرورش کرتی ہے۔ صاف غلط ہے۔ فلسفہ کے لحاظ سے مادی شے جوہر اور قائم بالذات ہوتی ہے اور جوہری اشیاء میں تضاد ناممکن ہے کیونکہ تضاد اوصاف اور عرضی اشیاء میں ہوتا ہے۔ مثلاً سیاہی سفیدی کی ضد ہے۔ وہ دونوں بیک وقت ایک ہی چیز کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتی لیکن مادی اور جوہری چیزیں کسی دوسری چیز سے قائم نہیں۔ بذات خود قائم ہیں۔ ان میں تضاد نہیں۔ پانچویں غلطی یہ ہے کہ سختی و نرمی کی جو مثال دی گئی ہے کہ لکڑی میں دونوں جمع ہیں بالکل غلط ہے۔ اولاً اس وجہ سے کہ اگر وہ ضد ہوتی تو جمع دو ضدوں کا ایک محل میں ممکن نہیں۔ جیسے گرمی و سردی دوئم اس وجہ سے کہ لکڑی نہ لوہے کی طرح سخت ہے نہ پانی کی طرح نرم۔ بلکہ سخت چیزوں کی درمیانی قسم ہے۔ سخت چیز کی تین قسمیں ہیں۔ اولاً جس میں میخ کو نہ ٹھونکا جا سکے اگر ٹھونکی جائے تو ٹوٹ جاتی ہے اور آگ سے بھی نرم نہ ہو سکے۔ جیسے پتھر۔ دوئم وہ کہ میخ اس میں ٹھونکی جا سکتی ہے مگر تکلیف کے ساتھ اور وہ آگ سے نرم ہو سکے۔ جیسے لوہا اور تیسری قسم درمیانی ہے کہ میخ اس میں آسانی کے ساتھ گھس سکے وہ لکڑی ہے۔ لہٰذا اس میں نرمی کا تصور غلط ہے کیونکہ وہ سخت اشیاء کی ایک قسم ہے یہ صاف تضاد بیانی ہے

(۴) فکر مارکس کہتا ہے کہ مادہ ازلی ہے اور اس کا وجود ہمارے ادراک و شعور پر موقوف نہیں اور کائنات کے جملہ مظاہر مادہ کی حرکت کے اثرات ہیں۔

تنقید اس میں تضاد ہے کیونکہ اشتراکیت کا انکار خدا اس اصول پر مبنی ہے کہ وہ ہمارے شعور سے خارج ہے اور تجربات اور مشاہدات کے دائرے سے باہر ہے تو جب مادہ بھی ادراک و شعور کے دائرے سے باہر ہے تو اس کو کیونکر تسلیم کیا گیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ آثار مادہ سے ہم نے استدلال کیا تو یہی استدلال آثار قدرت الٰہی سے خدا کے وجود پر نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کائنات عالم کو مادہ اور حرکت مادہ کی طرف منسوب کرنا اور خدا کی طرف منسوب نہ کرنا اس لئے نامعقول ہے کہ کائنات میں حیات بھی موجود ہے

اور انسان وغیرہ میں اور مادہ بالاتفاق حیات اور زندگی سے خالی ہے تو منفی سے مثبت اور پھر زندہ مادہ سے زندگی کس طرح وجود میں آئی جب کہ مثبت ہی سے مثبت پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً کوئلہ اور لکڑی میں آگ موجود ہے تو اس سے آگ وجود میں آسکتی ہے۔ لیکن راکھ اور خاکستر میں آگ موجود نہیں تو اس سے آگ ظہور میں نہیں آسکتی اس لئے مادہ کی طرف زندگی اور زندہ اشیاء کو منسوب کرنا خلاف عقل ہے۔ معقول یہ ہے کہ زندہ ذات یعنی رب العالمین کی طرف عالم کو منسوب کیا جائے۔ جب تم نے مردہ چیز کو خدا کا مقام دیا ہے تو پھر زندہ خدا کو ماننے سے کیوں گریز کیا جاتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کائنات کا نظام پرحکمت ہے اور وہ نہایت حکیمانہ قوانین پر مشتمل ہے جس کو وقتاً فوقتاً سائنسی تجربات سے ہم معلوم کرتے ہیں تو کیا اب نظام خدائے علیم و حکیم کی طرف منسوب کرنا معقول ہے یا اس مردہ اور بے جان مادہ کی طرف جو علم و حکمت اور شعور تک سے خالی اور محروم ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ عالم کے اندر ایک معقول ترتیب ہے۔ انسانی اعضاء کے کل پرزے باہم کر مرتب ہیں اگر اس ترتیب میں ذرہ برابر فرق پڑ جائے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح حیوانات نباتات میں بھی ترتیب ہے۔ یہ ترتیب جو علم الحیوانات اور علم النباتات میں واضح کی گئی ہے اور ستاروں اور سیاروں میں بھی ترتیب ہے۔ یہ ترتیب علم و حکمت کے بغیر اتفاقی طور پر پیدا نہیں ہو سکتی۔ فلاسفہ جدید کا اتفاق ہے کہ اگر کاغذ کے مساوی سائز کے ٹکڑے کاٹے جائیں اور ایک پر ایک کا ہندسہ لکھا جائے۔ اور دوسرے ٹکڑے پر دو کا تیسرے پر تین کا، دس تک، اور اس کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک اندھے آدمی کو دیا جائے یا کسی ان پڑھ کو دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تم اس میں سے ایک ایک ٹکڑے نکالتے جاؤ تو اگر وہ کاغذ کے ان ٹکڑوں کے نکالنے کا عمل اربوں سال تک کرتا جائے تو بالترتیب ایک سے دس نمبروں کے نکالنے کی نوبت نہیں آئے گی تو عالم کائنات کی یہ عظیم ترتیب اندھے اور بے سمجھ مادہ سے اتفاقی طور پر کیونکر وجود میں آئی۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا۔ صنع اللہ الذی اتقن کل شیء کائنات اسی خدا کی کاریگری ہے جس نے مضبوط ترتیب ہر چیز میں قائم کر رکھی ہے

اسی وجہ سے ڈیوڈ مارک ریزک نیوٹن کہتا ہے کہ موجودہ ترتیب عالم ایک ذات علیم وقدیر کے بغیر ممکن نہیں۔ ہربرٹ سپنسر کہتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ انسان کے اوپر ایک علم وحکمت والی ازلی ابدی قوت موجود ہے۔ فیبل فلاریان کہتا ہے کہ تمام فلاسفہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وجود کیونکر آیا اور کیونکر اس نے ترقی کی۔ لہٰذا وہ ذات خالق کے اقرار پر مجبور ہیں۔ فونسٹل انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ اللہ کی ہستی کا علم واضح اور بدیہی ہے۔

پانچویں غلطی یہ ہے کہ مادہ خود بخود کوئی خاص صورت اور شکل اختیار نہیں کر سکتا جب تک ایک ماہر اور صاحب علم شخصیت اس میں تصرف نہ کر دے۔ سائنسی پر مشتمل ہے جس کو وقتاً فوقتاً سائنسی تجربات سے ہم معلوم کرتے ہیں تو کیا ایسا نظام خدائے علیم وحکیم کی طرف منسوب کرنا معقول ہے یا اس مردہ اور بے جان مادہ کی طرف جو علم وحکمت اور شعور تک سے خالی اور محروم ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ عالم کے اندر ایک معقول ترتیب ہے۔ انسانی اعضاء کے کل پرزے باہمدگر مرتب ہیں اگر اس ترتیب میں ذرہ برابر فرق پڑ جائے تو انسان بیمار ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ اسی طرح حیوان نباتات میں بھی ترتیب ہے۔ یہ ترتیب جو علم الحیوانات وعلم النباتات میں واضح کی گئی ہے اور ستاروں اور سیاروں میں بھی ترتیب ہے۔ یہ ترتیب علم وحکمت کے بغیر اتفاقی طور پر پیدا نہیں ہو سکتی۔ فلاسفہ جدید کا اتفاق ہے کہ اگر کاغذ کے مساوی سائز کے ٹکڑے کاٹے جائیں اور ایک کا عدد لکھا جائے اور دوسرے ٹکڑے پر دو کا، تیسرے پر تین کا، دس تک اور ان کو ایک تھیلے میں ڈال کر ایک اندھے آدمی کو دیا جائے یا کسی ان پڑھ کو دیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ تم ان میں ایک ایک ٹکڑہ نکالتے جاؤ تو اگر وہ کاغذ کے ان ٹکڑوں کے نکالنے کا عمل اربوں سال تک کرتا جائے تو با ترتیب ایک سے دس نمبروں کے نکالنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ تو عالم کائنات کی یہ عظیم ترتیب اندھے اور بے سمجھ مادہ سے اتفاقی طور پر کیونکر وجود میں آئی۔ اسی کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا۔ صنع اللہ الذی اتقن کل شیٔ کائنات اسی خدا کی کاریگری ہے جس نے مضبوط ترتیب ہر چیز میں قائم کر رکھی ہے۔ اسی وجہ سے ڈیوڈ مارک ریزک نیوٹن کہتا ہے کہ موجودہ ترتیب عالم ایک ذات علیم وقدیر

کے بغیر ممکن نہیں۔ ہربرٹ سپنسر کہتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ انسان کے اوپر ایک علم وحکمت والی ازلی ابدی قوت موجود ہے۔ فیبل فلاریان کہتا ہے کہ تمام فلاسفہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وجود کیونکر آیا اور کیونکر اس نے ترقی کی۔ لہٰذا وہ ذات خالق کے اقرار پر مجبور ہیں۔ فونسٹل انسائیکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ اللہ کی ہستی کا علم واضح اور بدیہی ہے۔

پانچویں غلطی یہ ہے کہ مادہ یا اشیاء خود بخود کوئی خاص صورت اور شکل اختیار نہیں کر سکتا جب تک ایک ماہر اور صاحب علم شخصیت اس میں تصرف نہ کر لے۔ سائنسی مصنوعات جدیدہ مادہ کی مختلف شکلیں ہیں کیا یہ شکلیں مادہ سے خود بخود وجود میں آئیں یا ماہرین فن کے فعل وعمل سے اسی طرح کائنات کا عظیم مصنوع کے وجود میں آنے کے لئے بھی ایک ماہر ذات کی ضرورت ہے اور وہ خدا ہے۔

چھٹی غلطی یہ ہے کہ تجربات اور مشاہدات میں خدا کا نہ پایا جانا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں، عدم علم اور چیز ہے اور علم عدم اور چیز اور خود مادہ جو تحقیق کی رو سے برق پاروں کا نام ہے اس کو اور اس کے خواص کو ہم نہیں جانتے۔ حیات اور زندگی اور روح کے باطنی صفات کو ہم مشاہدہ اور تجربہ میں نہیں لا سکتے اور پھر بھی ہم ان کے وجود کا اقرار کرتے ہیں۔

ساتویں غلطی یہ ہے کہ مادہ کل کمالات میں خود انسان سے کم درجے کی چیز ہے اور انسان اشرف المخلوقات ہے تو پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ کمتر چیز کو تخلیق کائنات منسوب ہو اور انسان اشرف کو منسوب نہ ہو۔

آٹھویں غلطی یہ ہے کہ انسان آخری ترقی یافتہ مخلوق ہے اس کی ترقی اور ذہنی اور فکری ارتقاء کے لئے ایک ایسی ہستی کا وجود ضروری ہے جو اس کی ترقی اور بلند خیالی کے لئے نمونہ بن سکے۔ جیسے کہ کمال رکھنے والا ہمیشہ اپنے سے بڑے باکمال ہستی کے نمونہ کو دیکھ کر اس کی نقل اتارنے اور اس سے مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسی ذات خدا کا وجود ہو سکتا ہے نہ مردہ بے جان اور بے سمجھ مادے کا۔

نویں غلطی یہ ہے کہ انسانی اصلاح اور درستی کے لئے ایسی ذات کا یقین ضروری ہے کہ اس کے کمال اور قدرت اور عدل حکمت وجلال میں اس کی کوئی نظیر نہ ہو تاکہ اس ذات کی دلوں کے باطن پر عظمت وحکومت برائی سے مانع اور بھلائی پر ابھارنے

والی ہو۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ دنیا میں ضعیف اور کمزور افراد کی تعداد زیادہ ہے اور غالب اور قوی اور با اقتدار لوگ ان پر ظلم کرتے ہیں۔ عالم اسباب میں ان کے ٹوٹے ہوئے دلوں کے لئے کوئی سہارا نہیں ہوتا جس سے ان کی یاس اور ناامیدی آس اور امید میں بدل جائے۔ اور ان کے دلوں کے لئے قوت اور اطمینان کا سامان ہو۔ یہ فطری ضرورت خدائے قادر مطلق اور علیم خبیر کی ذات پر یقین کرنے سے پوری ہو سکتی ہے نہ مردہ اور عاجز مادہ کی تسلیم سے۔ اس لئے خدا کی ضرورت عقلی بھی ہے۔ فلسفی بھی ہے اور فطری بھی ہے اور اصلاحی اور اتفاقی بھی۔

(۵) فکر

ابدی صداقتوں اور وحی سے انکار

مارکس کہتا ہے کہ کوئی صداقت ابدی نہیں بلکہ حالات کی تابع ہے۔ حالات جب بدل جاتے ہیں تو صداقت بھی بدل جاتی ہے۔ اس لئے کوئی صداقت ہمیشہ کے لئے صداقت نہیں۔ احوال حرکت مادہ کے نتائج ہیں جو تغیر پذیر ہیں تو صداقت بھی تغیر پذیر ہے۔ وحی کے متعلق کہتا ہے کہ انسان کی اندرونی قوت کے سوا کوئی اور ذریعہ علم نہیں۔ اس لئے وحی کا افسانہ غلط ہے۔

مکتبہ شمس الحق افغانی

تنقید اگر کوئی[۱] صداقت ابدی نہیں تو اشتراکیت کی صداقت اور مادہ اور مادہ کی حرکت کی صداقت بھی ابدی نہیں۔ جب احوال بدل جائیں گے۔ تو یہ دونوں صداقتیں بھی ختم ہوں گی اور اگر یہ ختم نہ ہوں گی تو یہ تضاد اور تناقض ہے اور کیا[۲] ظلم کی برائی اور انصاف کی بھلائی ابدی نہیں اور اس طویل عرصے میں سب احوال کی تبدیلی سے وہ کیوں نہیں بدلے؟ درحقیقت ابدی صداقتوں کا انکار کوئی معقول نظریہ نہیں بلکہ یہ مادیت کا لازمی نتیجہ ہے جب مادہ پرستوں نے یہ نظریہ قائم کیا کہ کائنات فطرت اور انسانی تاریخ کے واقعات حرکت مادہ کے ناگزیر نتائج ہیں اور مادی مقاصد ہی سب کچھ ہیں۔ تو اس خیال سے خود بخود ضابطہ اخلاق اور ابدی صداقتوں

کا انکار لازم آتا ہے تاکہ مادی فوائد کے حصول کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ باقی وحی کا انکار تو اس لئے غلط ہے کہ وحی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے دل و دماغ میں روح مطلق یعنی خالق کائنات کی طرف سے الفاظ اور مطالب کا القاء ہو۔ خدا کے ثبوت میں دلائل پہلے بیان ہو گئے ہیں اور اب اس کی طرف سے کسی منتخب ذات کے دل و دماغ میں کسی علم کا منتقل کر دینا یہ وحی ہے جو بوجوہات ذیل درست ہے۔

۱۔ بہت سے حیوانات مثلاً چیونٹی، شہد کی مکھی، عنکبوت یا مکڑی کے متعلق جدید تحقیقات نے ایسے علوم بیان کئے ہیں جن کو معلوم کر کے انسان حیران ہو جاتا ہے تفصیل کا یہ موقع نہیں اب ان علوم کا ان حیوانات کو حاصل ہونا کسی تعلیمی مروج طریقے سے ہوا؟ یہ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ نہ وہ کسی اسکول میں داخل ہوئے نہ کوئی کتاب پڑھی نہ انہوں نے کسی استاذ سے استفادہ کیا تو ظاہر ہے کہ ان کو یہ علوم غیر معروف طریقے یعنی الہام ربانی سے حاصل ہوئے وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا (قرآن) یعنی ہم نے الہام سے شہد کی مکھی کو سمجھایا کہ تم پہاڑوں میں اس خاص طریقے سے شہد کا چھتہ بناؤ۔ جب حیوانات میں علم کا خارجی ذریعہ موجود ہے تو کیا انسانوں میں مخصوص حضرات انبیاء علیہم السلام کو خارجی قوت یعنی ذات رب العالمین بذریعہ وحی علوم منتقل نہیں کر سکتی۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مصنوعات جدیدہ بھی الہام الٰہی کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً سب سے پہلے جس موجد نے ہوائی جہاز کی مشین کو بنانا چاہا! اور وہ مشین اب تک بنی نہیں تھی، اس لئے اس کے تجربات و مشاہدات سے اس کا صحیح نقشہ خارج تھا۔ اس نے یقیناً اس نقشہ کی طرف اپنے ذہن کو متوجہ کیا ہوگا۔ لیکن موجد کا کام صرف طلب ہے اور فکر و ذہن کو متوجہ کرنا ہے۔ ٹھیک نقشہ کا دفعۃً یا بعد از تجربہ ذہن میں آنا یہ الہام ربانی سے ہوتا ہے۔ قرآن عظیم نے یہی بیان کیا۔ کُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔ مسلمان اور غیر مسلمان دونوں جس چیز کو طلب کرے تو ہم ان کو امداد دیتے ہیں اور تمہارے رب کی امداد کسی سے بند نہیں۔ یہ امداد وہ الہام الٰہی ہے جس سے اس چیز کا نقشہ اس کے دماغ میں ڈال دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔

(۳) جب ریکارڈ کے ذریعہ انسان ایک بے جان آلہ میں ایک شخص کے الفاظ اور تقریر کو منتقل کر کے محفوظ کر سکتا ہے۔ تو کیا خالق کائنات کے لئے یہ مشکل ہے کہ الفاظِ وحی مثلاً قرآن کو کسی برگزیدہ رسول کے ذہن میں بے جان آلہ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ ایک جاندار ملکی قوت کے ذریعہ منتقل کرے۔

دورِ حاضر کے افکار کی بنیادی غلطی

سب سے پہلے ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ کیا دورِ حاضر کے نظریات میں غلطیاں موجود بھی ہیں یا نہیں۔ اس کے لئے ہمیں دورِ حاضر کے نظریات کو تقسیم کرنا پڑے گا

۱۔ خالص مادی نظریات

۲۔ انسان سے متعلق نظریات خواہ نفسیات ہوں یا معاشیات وعمرانیات۔

۳۔ ماوراء المادیات۔

ان تینوں کے ذرائع علم اور احکام و خصوصیات میں بڑا فرق ہے۔ دورِ حاضر کی عقلیت نے تینوں پر بحث کی ہے اور تینوں کے متعلق اس نے نظریات قائم کئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان تینوں کا ایک بہت بڑی حد تک انسانی زندگی سے تعلق ہے۔ اور تینوں پر عقل نے اس بناء پر غور کیا کہ وہ ایسے حقائق کو پا سکے جن کی وجہ سے انسانی زندگی اپنے حقیقی مقصد میں کامیاب ہو۔ کیونکہ عقل کی فکری حرکت کا آغاز کسی مقصد کے لئے ہوتا ہے اب انیسویں صدی سے لے کر اب تک تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زیادہ کی عقلی کاوشوں سے انسان نے اگر اپنے مقصدِ زندگی کو پا لیا ہے تو بے شک یہ فکری اور فلسفی اور سائنسی کوششیں قابلِ تحسین ہیں اور اس کی عقل و فکر کی راہ صحیح سمت پر جانے اور منزلِ مقصود کو پانے کی صحیح راہ تھی۔ اور اگر زندگی کا وہ مقصد حاصل نہیں ہوا تو یقیناً ہم کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ انسانی عقلیت کی راہ صحیح نہ تھی بلکہ اس میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم اس مقصد کو متعین کریں جس کے لئے عقلی حرکات کا آغاز ہوا۔ اور پھر عملی قوتوں نے ان عقلی نظریات کی موافقت کی۔

عقل و عملی کاوشوں کے مقصد کا تعین

انسانی فکر و عمل کی تمام حرکات کا جو مقصد ہے وہ چین اور اطمینان ہے نہ سونے اور چاندی کے انبار یا قیمتی موٹریں اور نہ بڑی بڑی بلڈنگیں اور سامان۔

[illegible] یا حکومت کا کوئی بڑا عہدہ جس کی تصدیق ہر امیر سے کی جا سکتی ہے۔

بے چینی

کہ اکثر اوقات یہ سب چیزیں حاصل ہوتی ہیں لیکن چین اور اطمینان کا نام نہیں ہوتا اگر یقین نہ آئے تو صدر جانسن اور اندرا گاندھی سے پوچھ کر دیکھ لو کیا تم کو ایک معمولی غریب آدمی کے برابر بھی چین حاصل ہے۔ لیکن ان دونوں کی بے چینی عام غریب اور معمولی اشخاص سے بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح یورپ اور امریکہ کے ارب پتیوں سے پوچھو کہ تم کو چین حاصل ہے؟ تو جواب یہ ہوگا کہ نہیں۔ آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ یورپ اور امریکہ کے بہت کروڑ پتی اور ارب پتی ایسے تھے جنہوں نے دماغ کی بے چینی کی تاب نہ لاکر خودکشی کر ڈالی اور یہ تحریر چھوڑ کر مرے کہ ہم اس بے چین دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ اب اگر دورِ جدید کے عقلمندوں کی عقل و عمل تگ و دو کی راہ صحیح ہوتی۔ تو چین حاصل ہوتا۔ لیکن اس کے برخلاف جو بے چینی انسان کو دورِ حاضر میں نصیب ہوئی۔ اس کی نظیر انسان کی پوری تاریخ میں نہیں مل سکتی اور اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے خاص کر ایٹمی دور ہائیڈروجنی خطرہ نے تو بے چینی کو عالمگیر شکل دیدی ہے تو کیا یہی وہ منزلِ مقصود تھی جس کے لئے ڈیڑھ دو صدی کی یہ کوششیں عمل میں لائی گئی تھی۔

انقلاب

مقصدِ زندگی کی ناکامی کی بڑی دلیل لفظ انقلاب ہے جس کے معنی پلٹنے کے ہیں اس دور میں جو نظامِ زندگی جو نظامِ مملکت جو نظامِ معیشت فکری کوششوں کے بعد قائم ہو جاتا ہے تو اس کے بعد نعرۂ انقلاب بلند ہو جاتا ہے جس کا واضح مقصد یہ ہے کہ عوام اور نعرۂ انقلاب لگانے والے موجودہ نظام سے مطمئن نہیں وہ اس کو پلٹ دینا چاہتے ہیں گویا وہ اپنے نعرۂ انقلاب کے ذریعے اپنی بے چینی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال مرحوم خدا سے مکالمہ کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے جواب میں کہ کیا یہ جہانِ جدید تم کو موافق ہے کہتا ہے کہ میں نے خدا سے کہا کہ موافق نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اس کو توڑ ڈالو ؎

گفت کہ جہانِ ما آیا بتو می سازد

گفتم کہ نمی سازد گفتا کہ برہم زن

بے چینی کی مثال

اس عالمی بے چینی سے یہ معلوم ہوا کہ دورِ حاضر کی فکری اور عملی کوششوں نے زندگی کو مقصود سے ہمکنار نہیں کیا۔

اور تا ہنوز زندگی نے اپنی طبعی و فطری مرکز کو نہیں پایا۔ اضطراب انقلاب اور بے چینی انسانی کی باطنی حرکت کا نام ہے اور چین اور اطمینان اس کے اصلی سکون کا نام ہے اور وہی اصل مقصدِ حیات اور راحت گمشدہ ہے۔ مثلاً پانی جب بلندی پر ہو تو وہ متحرک اور مضطرب رہتا ہے اور اگر اس کو اس بلندی سے کسی دوسری بلندی کی طرف منتقل کیا جائے تو بھی اس کا اضطراب اور تحرک ختم نہ ہوگا تاوقتیکہ وہ کسی نشیب جگہ میں پہنچ کر اپنے مرکزِ فطری وطبعی کو نہ پائے۔ یہی حاصل اس وقت ہماری زندگی کا ہے کہ عقل اس کو کبھی ایک جہاں اور کبھی دوسرے جہاں کی طرف منتقل کرتی ہے کبھی تیسری کی طرف لیکن اس کے اضطراب میں فرق نہیں آتا۔ تاوقتیکہ زندگی اپنے فطری مرکز کو نہ پالے۔

اس بے چینی کا اصل سبب خالق کائنات سے انسان کے تعلق کا منقطع ہونا ہے اور مادہ اور مادیت ہی سے وابستہ ہونا ہے۔ مادہ متغیر ہے اور روح کے لئے وہ غیر فطری مرکز ہے اور خالق کائنات روحِ انسانی کا فطری مرکز ہے۔ روح جب فطری مرکز سے ہٹا دی گئی اور غیر فطری مرکز سے اس کو جوڑ دیا گیا تو اس کے حصے میں دوامی اضطراب اور بے چینی کا ہونا ایک لازمی بات ہے اور مادی ترقی چاہے کس قدر بھی بلند ہو لیکن اضطراب دور نہ ہوگا اسی حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے :-

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

خوب سن لو کہ صرف اللہ کی یاد اور تعلق سے انسان کو چین اور اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔ بقول اکبر مرحوم

دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی — عقبیٰ کا تصور اور اللہ کی یاد
دنیا دل کی ہوس جانے دو — گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ — اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

لیکن تہذیب جدید کا یہ حال ہے کہ سے

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو

عرفانِ مغرب کی کیا یہی روشن ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محو ماسوا ہونا!

مادیات

مادیات کی بنیاد مادہ ہے اس لئے جب تک مادہ معلوم نہ ہو تو مادیات کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ مادہ کے متعلق ہزاروں سال سے فلاسفہ کی ذہنی اور فکری کاوشیں جاری ہیں لیکن سب میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

مادہ قدیم فلاسفہ کی نظر میں

یونان کے فلاسفہ قدیم نے مادہ عالم کی حقیقت کے متعلق جو بلندی اور تحقیق کی ہے وہ شہرستانی کے ملل نحل میں موجود ہے :-

(۱) فسطالیس کی رائے یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق عدم سے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مادہ کا وجود ضروری ہے۔ اور مادہ کائنات پانی ہے۔

(۲) انجیمنس کی رائے یہ ہے کہ کائنات کا مادہ ہوا ہے۔

(۳) انکسمندر کی رائے یہ ہے کہ مادہ کائنات کی کوئی شکل نہیں جس کو متعین کیا جا سکے۔

(۴) فیثاغورث کی رائے یہ ہے کہ مادہ کائنات خدا ہے جس سے کوئی چیز خالی نہیں۔ جس طرح کل اعداد ایک ہی کے تکرار سے بنتے ہیں اسی طرح خدائے واحد اصل کائنات ہے۔

(۵) اکزونش کی رائے یہ ہے کہ کائنات کا مادہ واحد ہے۔

(۶) ارمیندس کی رائے یہ ہے کہ مادہ واحد نہیں بلکہ پانی اور ہوا کا مجموعہ مادہ ہے۔

(۷) جیپوس کی رائے یہ ہے کہ مادہ ایسی ذات ہے جو زندہ اور عاقل اور ازلی ہے۔

(۸) ہرقلیطس کی رائے یہ ہے کہ مادہ آگ ہے جو پھر منقلب ہو کر ہوا بنی اور وہ بدلکہ پانی بنا۔

(۹) انبیدوقلس کی رائے یہ ہے کہ مادہ عالم چار عناصر ہیں :-

(۱) باد
(۲) خاک
(۳) آب
(۴) آتش

مکتبہ شمس الحق افغانی
بہاولپور

ان میں محبت کی قوت باہم انضمام کے لئے اور نفرت کی قوت تفریق کے لئے موجود ہے۔

(۱۰) دیمقراطیس کہتا ہے کہ مادہ عالم ذرات ہیں جو اندھی ضرورت کی وجہ سے حرکت کرتے ہیں۔

(۱۱) انکساغورس کہتا ہے کہ مادہ عالم ذرات متحرک ہیں۔ جن کو خدائے علیم و حکیم حرکت دیتا ہے۔

(۱۲) سوفسطائیہ جن میں سے پروتاغورس کی رائے یہ ہے کہ مادہ یا اور کسی چیز کا کسی کو بھی علم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے، کیونکہ عقل اور حس صحیح ذرائع علم نہیں کیونکہ لوگوں کی حالت ان دونوں چیزوں میں متفاوت ہے بلکہ غورجیاس فلسفی کی رائے یہ ہے کہ ہر چیز کی صحیح معرفت عقل اور حس کے ذریعہ محال ہے۔

(۱۳) سقراط کی رائے یہ ہے کہ مادہ اور دیگر اشیاء کا علم عقل کے ذریعہ ممکن ہے حس کے ذریعہ ناممکن ہے۔

(۱۴) افلاطون جو سقراط کا شاگرد ہے وہ کہتا ہے کہ مثالی اور تصوری حقائق مادہ عالم ہے لیکن افلاطون اور اس کا شاگرد ارسطو دونوں خدا کے قائل ہیں کہ مادہ خدا کے بغیر کسی موجود میں منتقل نہیں ہو سکتا۔

یہ چودہ اقوال قدیم فلاسفہ کے ہیں، جو ہم کو معلوم ہیں۔ نہ معلوم کہ اور کتنے اقوال ہوں گے جو ہمیں معلوم نہیں۔

مادہ جدید فلاسفہ کی نظر میں

جدید فلاسفہ یورپ اور امریکہ کی تحقیقات کو چونکہ استقرار نہیں بلکہ ان میں انقلاب اور تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اور جدید تحقیق سابق تحقیق کو رد کرتی ہے۔ اس لئے اب تک جدید فکر میں حسب ذیل تبدیلیاں ہوئیں۔

(۱) پہلا نظریہ یہ تھا کہ مادہ عناصر کا نام ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ مادہ سالمات یعنی ایٹمی اجزاء کا نام ہے۔

(۳) تیسرا یہ ہے کہ مادہ برقی پاروں کا نام ہے۔

اب تک جدید فلسفہ اسی حد تک پہنچا ہے۔ لیکن جدید فلاسفہ میں سے بعض

کی تحقیق یہ ہے کہ بالآخر برقیت بھی ختم ہو جاتی ہے اور آخر میں صرف ایک نور باقی رہ جاتا ہے۔ یہ سب خرابی اس غلط جذبے اور تخیل سے پیدا ہوئی کہ عدم اور نیستی سے کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی۔ لیکن یہ خیال ہی سرے سے غلط ہے کہ نیست سے ہست نہیں ہو سکتی۔

نیست سے ہست ہونا

اسلامی زاویۂ نگاہ سے کائنات عالم تو ہست سے ہست ہوئی یعنی مادہ عالم سے وجود میں آئی لیکن خود مادہ عالم عدم سے وجود میں آیا گویا عدم سے وجود اور نیستی سے ہستی کا واقعہ موجودہ عالم سے قبل فرض ایک بار ہوا۔ ازاں بعد جس قدر قدرت کی تخلیقات ہیں وہ سب اشیاء ہست سے ہست ہوئی۔ اب جدید فلاسفہ یا قدیم فلاسفہ جو مادے کی ازلیت کے قائل ہیں، ان کے پاس اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ مادہ اگر ازلی نہ ہو تو وہ بھی پیدا کیا گیا ہوگا اور ظاہر ہے کہ مادی اجسام تو مادہ سے پیدا ہیں لیکن مادہ عدم سے پیدا ہوا ہوگا۔ حالانکہ مشاہدہ میں کوئی ایسی چیز نہیں دستیاب ہو سکتی جو نیست سے ہست ہوئی ہو۔ یہ صرف مغالطہ ہے جو واقعہ مشاہدہ کرنے والوں اور مشاہدات کے وجود سے بہت پیشتر صرف ایک ہی مرتبہ وجود میں آیا ہو۔ وہ اس زمانہ اور اس وقت زیر مشاہدہ نہیں آسکتا جس واقعہ کو جس وقت سے اختصاص ہو، وہ ایک دوسرے وقت میں کیونکر وجود میں آسکتا ہے۔ ایک صاحب نے جو آریہ سماج کے بہت بڑے پنڈت تھے اور اسی خیال کے قائل تھے کہ نیست سے کوئی چیز ہست نہیں ہو سکتی ورنہ ہمیں دکھا دو۔ میں نے کہا یہ سوال ایسا ہے کہ بغداد موجود نہیں ورنہ اسی ہندوستان میں مجھے بغداد دکھا دو۔ جب میں مان لوں گا تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ آجاؤ ہمیں بغداد لے چلو وہیں دکھا دیں گے۔ دہلی میں ہم آپکو بغداد کیسے دکھا سکتے ہیں۔ ہم بغداد کا وجود مانتے ہیں لیکن اپنے اصلی مقام میں مانتے ہیں۔ دہلی میں ہم نے نہ بغداد کے موجود ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور نہ مشاہدہ۔ تو اسی طرح مشاہدہ جیسے مکان سے بدلتا ہے اور زمان سے بھی بدلتا ہے اگر کوئی کہے کہ دارا اور سکندر کی جنگ ناممکن ہے ورنہ ہمیں کوئی مشاہدہ اسی زمانہ میں کرائے تو جواب یہی ہوگا کہ یہ واقعہ اپنے مخصوص زمانہ اور وقت میں ہوا۔ تم ہمیں اس زمانے میں پہنچا دو تو مشاہدہ کرا دیں گے۔ اسی طرح جس وقت موجودہ نظام عالم سے قبل مادہ نیست سے ہست ہوا تو اس وقت میں ہمیں پہنچا دو تو مشاہدہ بھی کرا دیں گے۔ یہی ہے اس عظیم مسئلہ کی حقیقت جس پر موجودہ فلسفہ مبنی ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان چونکہ کوئی چیز مادے کے بغیر پیدا نہیں کر سکتا تو اس سے خیال قائم کیا گیا کہ خدا بھی نہیں کر سکتا۔ اس نظریہ میں خدا کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کیا گیا ہے، یہ بھی بالکل غلط ہے۔ ہمیں خدا سے کوئی نسبت نہیں نہ کسی چیز میں شرکت کہ وہ خالق ہے اور ہم مخلوق ہیں لیکن مخلوق میں ایک مخلوق کی قدرت دوسری مخلوق پر قیاس نہیں کی جاسکتی۔ چیونٹی اور ہاتھی دونوں مخلوق ہیں اور دونوں حیوانیت میں شریک ہیں، لیکن ہاتھی کی قدرت چیونٹی کی قدرت پر قیاس نہیں کی جاسکتی کہ چونکہ چیونٹی بیس من بوجھ نہیں اٹھا سکتی تو ہاتھی بھی نہیں اٹھا سکتا۔ اگر کوئی یہ قیاس کرے تو بڑی غلطی کا مرتکب ہوگا۔ چیونٹی جو کام نہیں کر سکتی، ہاتھی وہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا ہم جو کام نہیں کر سکتے کہ نیست سے ہست کریں تو خالق کائنات قادر مطلق وہ یقیناً یہ کام کر سکتا ہے۔

(۳) سائنس کے قواعد کے مطابق مادہ کی ازلیت کا تخیل استقراء اور تجربہ سے قائم کیا گیا اور استقراء اس وقت دلیل بن سکتا ہے کہ تام ہو، ورنہ بہت زمانہ تک سینما میں تصاویر متحرک نظر آتی تھی، لیکن بولتی نہ تھی۔ اس وقت کا استقراء یہ تھا کہ تصاویر سینما نہیں بول سکتیں لیکن مابعد زمانہ میں جب بولنے لگی تو وہ استقراء باطل ہوا کیونکہ جدید واقعہ سابق استقراء و تجربہ کرنے والوں کے تجربہ سے خارج تھا تو ممکن ہے کہ کوئی ایسا صحیح واقعہ بھی ہو جو انسان کے تجربات سے خارج ہونے کے باوجود اپنی جگہ دو دونی چار کی طرح صحیح اور درست ہو اور وہ واقعیت سے بہت بھلنے کا ہے۔ اسی طرح تمام عجائبات سائنس سابق تجربہ سے خارج تھے لیکن اب یہ تسلیم شدہ ہیں۔

(۴) مادی اجسام مادہ سے پیدا ہوئے اور خالق کائنات نے پیدا کیا۔ اب خود مادہ اگر کسی اور مادہ سے پیدا ہو تو تسلسل لازم آئے گا۔ لہٰذا خود مادے کا وجود کسی اور مادہ سے نہیں بنا، ورنہ پھر اسی دوم مادے سے متعلق سوال چلے گا جو ختم نہ ہوگا۔ لہٰذا اس لحاظ سے کائنات مادی ہے جس کے لئے مادہ ضروری ہے لیکن خود مادہ غیر مادی ہے جس کے لئے اور مادے کی ضرورت نہیں۔ باقی اگر اس میں شبہ ہو تو خود انسانی آنکھ کے ابصار اور مشاہدہ کو دیکھو کہ تمام کائنات کا ابصار و مشاہدہ آنکھ کے ابصار سے ہوتا ہے لیکن خود ابصار مبصرات سے نہیں یعنی کل چیزیں جو ہم نظر سے دیکھتے ہیں لیکن خود نظر نظر نہیں آتی اور نظر کا وجود نظر آنے سے بے نیاز ہے۔ اسی طرح کل مادیات مادے سے

بن گئے ہیں۔ لیکن خود مادہ مادہ سے بے نیاز ہے کہ وہ کسی اور مادے سے بن گیا ہو، بلکہ وہ بلا مادہ وجود میں آیا ہو۔ البتہ وجود میں لانے والے خدا کی ہستی لازمی ہے یعنی مادے کے لئے مادہ دیگر کی ضرورت نہیں، البتہ فاعل و خالق کی ضرورت ہے۔

پہلی قسم یعنی افکار جدیدہ جو مادیات سے متعلق ہوں ان میں اکثر آراء صحیح ہو سکتی ہیں کہ وہ مشاہدہ اور تجربے سے متعلق ہیں اور مادہ چونکہ بے جان اور بے اختیار چیز ہے اس لئے مادہ سے متعلق ایک بار بعد از تجربہ جو نظریہ قائم ہو جاتا ہے تو اس میں کوئی مداخلت نہیں ہوتی اور قائم رہتا ہے۔ مثلاً اگر دو سالمات (ایٹم) ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایک سالمہ کو ترتیب دی جائے تو ہر حال میں اس عمل سے پانی برآمد ہوگا۔ اس لئے اس قسم میں اختلاف کی گنجائش کم ہے، اور ہم بآسانی حکم لگا سکتے ہیں کہ فلاں مادی شے سے فلاں حالات و شرائط کے تحت فلاں خاصیت ظاہر ہوگی۔

عالم انسان سے متعلق علوم

لیکن دوسری قسم یعنے عالم انسان کے متعلق کسی نظریہ کے متعلق ہم قطعی حکم نہیں لگا سکتے کیونکہ اس میں قطعی اسباب و نتائج کا حکم لگانا اس لئے دشوار ہے کہ انسان مادہ کی طرح مجبور اور بے اختیار چیز نہیں کہ مجبوراً کسی قانون کا محکوم ہو بلکہ اس کا آزاد ارادہ ہر قانون کو توڑ سکتا ہے اور اس کا اختیار علت و معلول کے سلسلے کو درہم برہم کر سکتا ہے اور قطعی علت کا تعین مشکل ہے۔ مادہ سے متعلق نظریہ سے اگر کوئی انکار کرے تو تجربہ اور مشاہدہ سے اس کو قائل کیا جاسکتا ہے، لیکن انسان سے متعلق امور ایسے نہیں۔ مثلاً گزشتہ جنگ میں فرانس کی شکست کا سبب اشتراکیوں کے ہاں سرمایہ دارانہ نظام تھا۔ آمریت پسند کہتے ہیں شکست کا سبب فرانس کا جمہوری نظام تھا۔ پابند مذہب طبقے کے نزدیک شکست کا سبب فرانس کا اخلاقی انحطاط تھا۔ لیکن ہمارے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم کسی ایک سبب کی صحت کو قطعی طور پر ثابت کر سکیں۔ نتائج امور انسانیہ کا بھی یہ حال ہے کہ اس میں قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً انسانی علوم کے متعلق عام قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک قوم شکست کھاتی ہے تو اس میں مادی اور اخلاقی انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن گزشتہ جنگ میں جرمنی نے شکست کھائی اور اس کی مادی قوت اور اخلاقی عزیمت اور ہمت میں ترقی ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قسم اول یعنی مادہ کے برخلاف اس قسم دوم یعنی انسانی فطرت کے قوانین اتنے غیر متعین اور

نامعلوم ہیں کہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں معاملہ انسانی سے فلاں وقت فلاں نتیجہ برآمد ہوگا۔ لیکن عصر جدید کی عقلیت نے انسانی امور خواہ وہ تمدن ہوں یا معاشیات یا عمرانیات کے متعلق جو نظریے قائم کئے اس پر مادیت کی طرح یقین کرنے لگی۔ حالانکہ یہ معلوم ہے کہ عالم طبعی میں حق و صداقت کا پانا جس قدر آسان ہے۔ تمدنی اور معاشرتی امور میں جو انسان سے متعلق ہیں اتنا ہی مشکل ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان مادیات اور طبیعیات کا تجربہ کرکے جو رائے قائم کرتا ہے اس میں تجربہ کنندہ انسان خالی الذہن اور غیر جانبدار ہوتا ہے لیکن جب وہ انسانیات کے میدان میں قدم رکھتا ہے اور تمدنیات اور معاشریات کو سوچتا ہے تو اس کا ذہن ان چیزوں کے متعلق پہلے سے ایک خاص عقائد و تصورات رکھتا ہے اور اس کی قوم بھی ان چیزوں کے متعلق ایک خاص عقیدہ رکھتی ہے۔ جس سے وہ شخصی و قومی خصوصیات سے الگ ہو کر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ ان امور کی چھان بین اپنے شخصی و قومی مزاج کے تحت کرتا ہے جس کی وجہ سے حقیقت تک رسائی عقلیت کی راہ سے مشکل ہو جاتی ہے اور تمدنی اور معاشرتی مسائل میں عقلیت کی غلطیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ اگر ہم مان بھی لیں کہ مادی اور تمدنی مسائل کے اس واضح فرق کے باوجود ہم حقیقت کو پا بھی سکتے ہیں تو دیگر اقوام کو ہم کسی دلیل سے قائل نہیں کرا سکتے اور تاوقتیکہ انسانوں کے پاس تمدن کی ایسی مضبوط اساس موجود نہ ہو جس پر سب اقوام کا اتفاق ہو تو تمدن کو پائیداری نہ ہوگی۔ اور اس کی جڑیں ہر وقت ہلتی رہیں گی۔

اعتراض اور اس کا جواب

یہ اعتراض کہ اس واضح فرق کو حکمائے مغرب نے کیوں نہ سمجھا اور کیوں بے ہودہ طور پر انہوں نے اپنی عمر یا اور محنت تمدنی اور معاشرتی مسائل میں صرف کی، اس کی وجہ اور جواب عقلیت کی نشاۃ جدیدہ کی تاریخ سے نمایاں ہے کہ عقلیت جدیدہ کو مسیحیت سے جو اس وقت عقل کی راہ میں رکاوٹ تھی اور اس کے بنیادی مسائل مثلاً الوہیت مسیح، تین ایک اور ایک تین اور مصلوبیت مسیح پر ایمان لانے سے گناہوں کا کفارہ ہونا چند نامعقول امور کا مجموعہ تھے ان سے عقلیت کو نفرت ہوئی اور جب عقلیت کو فتح ہوئی تو انہوں نے تمام ادیان کا خواہ محرف اور غلط ہو، جیسے مسیحیت یا حق

مکتبہ شمس الحق افغانی بہاولپور

اور فطری ہو، جیسے اسلام، سب کا انکار کیا اور سب سے پہلے انتقام لیا جاتا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تمدنی احساسات کا الہامی دروازہ انہوں نے بند کیا اور عقل کی راہ سے تمدن کو بھی حل کرنا چاہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسانی تمدن الہامی بنیاد کو اور خدائی احساسات اور بنیادوں سے ہٹ کر عقل کی بنیادوں پر قائم کیا گیا۔ جس کی حقیقت تک رسائی کا ذریعہ عقل کے پاس موجود نہ تھا اور نہ عقل جذبات و میلانات نفسی کی دخل اندازی سے خالی ہو سکتی تھی نتیجہ یہ نکلا کہ عقلیت جدیدہ نے ایک ایسا تمدن قائم کیا جس میں حرص و خواہشات نفس کی تکمیل اور درندہ صفت خونریزی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اور انسانی تمدن جاہلانہ دور کے تمدن سے بھی زیادہ پستی میں جا گرا۔ کیونکہ جاہلانہ دور تمدن میں بھی کچھ نہ کچھ الہامی بنیادیں موجود تھیں اور تعجب یہ ہے کہ اس پر غور و فکر اور غیر فطری تمدن کے استحکام میں روز بروز اضافہ کی کوشش کی جاتی رہی ہے، جس سے اس کے زخم اور بڑھتے ہیں جیسے بقول مولانا روم:

"جو کانٹا قدم میں چبھ گیا ہو اور صاحب قدم چھٹکارا پانے کے لئے اس کو زور سے زمین پر مارے تو قدم زیادہ زخمی ہوگا۔"

تمدن حاضر زندگی کے قدم کا کانٹا ہے۔ جتنا قدم زمین پر مارا جائے گا۔ اتنا کانٹا مضبوط ہو کر قدم کو مزید زخمی کریگا۔ اصل علاج یہ ہے کہ ہوشیار آدمی اکر کانٹے کو نکال کر دور پھینکے نہ کہ اور اس کو مضبوط کرے۔

ان انسانی اور تمدنی مسائل میں جدید عقلیت کی جذباتی لغزشوں اور غلطیوں کے لئے عورت کے مسئلے کے متعلق ان کی آرا ملاحظہ ہوں، جن سے ان کی لاعلمی نمایاں ہیں۔

عورت اور مغرب

سب سے پہلے فکر جدید نے عورت کو انسانی حقوق سے محرومی کی بنیاد پر اپنے تمدن کی بنیاد قائم کی اور یہ قانون بنایا کہ:

(۱) عورت شادی کے بعد اپنے پدری اقارب سے کٹ کر شوہر کے خاندان کا ایک فرد ہے۔ اس کی تمام ملکیت شوہر کی ہے اور وہ خود کسی چیز کی مالک نہیں بن سکتی اور نکاح ہونے کے باوجود جب تک رخصتی نہ ہو تو خاوند کی ملکیت سے اس کا تعلق نہیں اور خاوند

کے مرنے پر وہ وارث نہیں ہوسکتی۔

(۲) شادی شدہ عورت کو جب شوہر کے گھر میں نہ ہو اپنی اولاد سے کوئی تعلق نہیں اگر ماں مرگئی یا اس کی اولاد تو ان کے درمیان وراثت نہ ہوگی، بلکہ کنبہ کا رئیس اور سرپرست سب چیز کا حقدار ہے۔ (قانون روما المقارنات التشریعیۃ بین القوانین الوضعیۃ المدنیۃ والتشریع الاسلامی بسید عبداللہ صا۱۴)

(۳) عورت کو خرید و فروخت اور کسی معاملہ کا اپنی ملکیت میں بھی شوہر کی اجازت کے بغیر کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں۔

(۴) عورت کے املاک پر شوہر کا تسلط حاصل ہے، وہ خرید و فروخت اور شرکت کا اختیار نہیں رکھتی (حوالہ مذکورہ قانون فرانس صہ۱۵)

(۵) عورت کسی معاملہ میں مدعیہ یا مدعی علیہا نہیں بن سکتی اور نہ عدالت میں حاضر ہوسکتی ہے۔ جب تک شوہر کی اجازت نہ ہو۔ (حوالہ بالا صہ۱۸)

عقلیت جدیدہ نے ان قوانین کے تحت عورت کو بے بس جانوروں کی طرح بے اختیار اور شوہر کی ملکیت قرار دیا، لیکن بعد ازاں عقلیت جدیدہ کا یہ تفریطی جذبہ جب افراطی جذبہ میں تبدیل ہوگیا تو تمدن کی بنیاد عورت کی حریت اور کلی آزادی پر قائم کی گئی اور اس کو مردوں کے ساتھ تمام امور میں مساوی قرار دیا۔ اب عورت کو اجازت شوہر و غیر مرد سے خلوت و جلوت میں ملنے کی آزادی حاصل ہوئی اور جس قدر شوہر کماتا تھا عورت بھی اسی قدر کمانے لگی اور ازدواجی رشتہ اس قدر کمزور ہوا کہ عورت جب چاہے کسی خوبصورت اور مالدار شخص سے تعلق قائم کرکے شوہر سے علیحدہ ہوسکتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عائلی زندگی کا تمدنی نظام درہم برہم ہوا۔ بعض شوہر عورتوں کی اس بغاوت سے تنگ آکر خودکشی کرنے لگے، اور مشہور لڈوسی نے وومین نام کتاب عورت پر لکھی جس میں یہ فیصلہ کیا کہ یورپ کی عائلی تباہی کا علاج اب صرف یہی ہے کہ عورت کو دنیائے مشرق کے قواعد کے تحت دوبارہ کنٹرول کیا جائے۔

لواطت

لواطت کو تمدن کے لئے تباہ کن سمجھ کر عقلیت قدیمہ کا پہلا تمدنی قانون یہ تھا کہ اس فعل خبیث کو جرم قرار دیا جائے اور قرار دیا گیا لیکن عقلیت جدیدہ کی عطا کردہ بے لگامی نے یورپ کو اس فعل بد کی وجہ

سے سدوم اور عمورہ بنایا تو خود برطانوی پارلیمنٹ کے مادر پدر آزاد ممبران نے لواطت کو جائز قرار دیا اور ملکہ الزبتھ کے دستخط سے اس کو ملک کا قانون بنا دیا گیا کیا ان واقعات سے اس امر کی تصدیق نہیں ہوتی کہ تمدنی مسائل کی پیچیدگی عقل حل نہیں کرسکتی اس میں الہام ربانی کی ضرورت ہے۔ بقول اقبال:

فساد کا ہے فرنگی معاشرے میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں

عقلیت جدیدہ اور ماوراء الطبیعات

ماوراء الطبیعات سے وہ حقائق مراد ہیں جو مادی تجربات سے خارج ہو اور انسان عقل اور حواس یا وجدان کے ذریعہ ان کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ نہ کرسکتا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ انسانی تجربہ کے لئے دو امر ضروری ہیں

(۱) اوّل یہ کہ ان امور کو انسان سے اتحاد زمانی ہو یعنی تجربہ کنندہ انسان اور وہ زیر تجربہ امور ایک وقت میں موجود ہوں۔

اس اصول کے تحت قبل الانسان یا مبدءِ انسان سے متعلق امور

(الف) مبدأ عالم سائنسی دائرہ سے خارج ہیں یعنی یہ فیصلہ کہ انسان سے پہلے کیا تھا؟ انسان کا آغاز کب اور کس طرح ہوا یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کے ذرائع معلومات سے خارج ہونے کی وجہ سے انسان کے لئے غیبیات ہیں۔ نہ وہ اپنے آغاز کے متعلق کوئی قطعی فیصلہ کرسکتا ہے اور نہ آسمان و زمین، آفتاب و ماہتاب اور سیارگان کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کرسکتا ہے۔ اگر کوئی رائے قائم بھی کرے تو وہ کل پچھو اور تخمینی اور خیالی رائے ہوگی نہ تحقیقی۔ قرآن نے اسی حقیقت کو اسی انداز میں بیان کیا ہے۔

ما اشهدتهم خلق السموات والارض ولا خلق انفسهم وما كنت متخذ المضلين عضدا۔

میں نے ان منکرین کو نہ آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت حاضر کیا تھا اور نہ انسان کی پیدائش کے وقت اور نہ میں نے ایسے گمراہ افراد کو تخلیقی رازوں کا دست و بازو بنایا تھا

(ب) منتہی انسان اس اصول کے تحت بعد الانسان اور موت انسان کے بعد کے واقعات جس کو منتہائے انسان کہنا چاہیے۔ انسان کے ہم زمان نہیں۔ لیکن انسان ان کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم نہیں کرسکتا، عالم قبر و برزخ ہو یا عالم آخرت دونوں انسانی تجربات اور سائنس کی دنیا سے خارج ہیں۔ اس لئے انسان کی رائے ان امور کے بارے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔

روحانیات دوسرا امر یہ کہ وہ کثیف اشیاء ہوں لہٰذا وہ لطیف اشیاء ہیں جن تک انسانی تجربات اور تحلیل و تجزیہ کی رسائی نہیں۔ وہ تجزیہ و تحلیل سائنس کے دائرے سے خارج ہیں ایسی چیزیں: خالق کائنات کی ذات، ملائکہ، ارواح، انسان، عقائد و اخلاق و اعمال انسانی کا حسن و قبح اور انسان کی پوری زندگی کے تمام دائروں میں (دنیا قبر و آخرت میں) ان کے نفع و ضرر کی تعیین اور ان کے حدود کی تشکیل انسانی یا سائنسی تجربات سے خارج ہیں۔ اس لئے انسان ان تک رسائی پانے سے قاصر ہے بلکہ ان تینوں چیزوں، مبدء انسان، منتہائے انسانی، روحانیات لطیفہ بنایئہ کا ذریعہ صرف وحی الٰہی اور الہام ربانی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ انسان ان کو حاصل کرسکتا ہے اور حاصل ہونے کے بعد وہ انسانی ذرائع سے متصادم نہیں بلکہ انسانی ذرائع علم کے موافق ہیں، مثلاً کان سے آوازوں اور تقریروں کا علم ہوتا ہے اور آنکھوں سے رنگوں اور اشیاء کے چھوٹے بڑے ہونے کا علم۔ اب کان آنکھ کی معلومات سے عاجز ہے اور آنکھ کان کی معلومات سے، لیکن ان دونوں الگ الگ دائروں کی معلومات میں تضاد تخالف و تصادم نہیں۔ اسی طرح حس عقل کی معلومات سے قاصر ہے اور عقل حس کی معلومات سے لیکن دونوں میں ٹکراؤ نہیں۔ یہی حال حس و عقل کو وحی الٰہی کے ساتھ ہے کہ یہ دونوں قوتیں وحی کے ذریعے حاصل کردہ معلومات تک رسائی نہیں پاسکتیں لیکن ان دونوں کے علوم کو وحی کی معلومات سے کوئی تصادم نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حس صحیح اور عقل سلیم اور وحی کی معلومات میں تصادم ناممکن ہے۔ کیونکہ دو صحیح چیزیں ایک دوسرے کی ضد نہیں ہوتیں۔ اس لئے مذہب اور سائنس میں تصادم کا امکان ہی نہیں، دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں، سائنس دائرہ مذہب تک پرواز

ہی نہیں کرسکتی۔ اگر سائنس مذہب دشمنی کے انتقامی جذبہ کے تحت مذہبیات میں مداخلت کرنے لگے تو خود سائنس انسانیت کے لئے باطنی زہر بن کر انسانیت کی تباہی پر منتج ہوگی۔ جیسے دور حاضر کی سائنس کی دماغی اور بے راہ روی سے ایسا ہو رہا ہے۔

لامارک کا نظریہ ارتقاء اور چھ دلائل سے اس کی تردید سب سے پہلے لامارک LAMARCK نے ثابت کیا کہ عمل ارتقاء پر خارجی قوتوں کا اثر نہیں، بلکہ جب کسی نوع میں پر زور خواہش پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے اندرونی ہیجانات سے ارتقاء شروع ہو کر نشوونما پاتی ہے۔ اس نے بچے کی مثال دی کہ پیدائش سے کچھ عرصہ بعد بچہ میں یہ خواہش جوش مارتی ہے کہ وہ بھی اپنے بڑوں کی طرح اپنے پیروں پر چلنے لگے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مختلف انواع نے درجہ بدرجہ نیچے سے اوپر ایک بلند نوع کی شکل اختیار کی۔ اسی طرح اونٹ کی گردن پہلے دیگر حیوانات کی طرح چھوٹی تھی لیکن جب درختوں کے نیچے پتے دیگر حیوانات نے کھالیے تو غذا کی ضرورت سے ان میں لمبی گردن ہونے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اس کی گردن لمبی ہوگئی۔

(۱) انسان کو ارتقائی مخلوق ماننے کی یہ توجیہ جو لامارک نے کی، مجنونوں کی بڑ سے زیادہ نہیں۔ ادنیٰ درجے کی مخلوق جماد ہے، پھر نبات پھر حیوان پھر انسان ہے۔ جماد میں تو سرے سے خواہش ہی موجود نہیں کہ وہ ارتقاء کا سبب بنے۔ نبات اور حیوان میں اگر کسی قسم کی خواہش موجود بھی ہے تو وہ اس قدر باشعور کہاں ہے کہ وہ کسی بلند نوع کی بلندی اور برتری کو معلوم کرکے اس کی پرجوش خواہش کرے۔

(۲) خواہش کے لئے تصور کمال کی ضرورت ہے۔ ہم آم کھانے کی خواہش یا گورنر بننے کی خواہش اس وقت کرسکتے ہیں کہ ہمیں آم اور گورنری کے متعلق پورا علم ہو (تصور)

(۳) سوم یہ کہ خواہش کرنے کے لئے اسباب ممکنہ کی ضرورت ہے، جو پست درجہ کی نوع میں موجود نہیں تو وہ ایک بلند نوع کی طرف ارتقاء کی خواہش کیونکر کرسکتی ہے جب کہ تکمیل خواہش کا سامان موجود نہ ہو۔ کیا ایک بے تعلیم آدمی یہ خواہش کرسکتا ہے کہ وہ چیف انجینئر یا سول سرجن بن جائے۔ اونٹ کی مثال میں اونٹ کے پاس گردن

کی لمبائی کے لئے کیا اسباب تھے جو اس نے گردن لمبی ہونے کی خواہش کی۔ باقی بچے کی مثال میں ضعف سے قوت کی طرف انتقال خود بچے کی فطرت کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ فطرۃً بتدریج نشوونما پاتا ہے۔ اس میں خواہش کا دخل نہیں۔ اگر خواہش نہ کرے جب بھی مقررہ وقت پر اپنے پاؤں سے چلے گا۔

(۴) چوتھی بات یہ ہے کہ اولی نوع مثلاً حیوان مطلق سے انسان بن جانا اگر حیوان کی کسی نوع کی خواہش کا نتیجہ ہو تو اس کو انسانی صورت، انسانی ڈھانچہ اور انسانی صفات وخصوصیات کا علم ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس وقت تو انسان وجود میں نہیں آیا تھا تو اس نے انسانی حقیقت کو کیسے جانا کہ اس کی طرف ارتقاء کرنے کی خواہش اس میں پیدا ہوئی۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ انسانی کمالات اس پست نوع میں موجود نہیں تھی تو منفی سے مثبت کیسے وجود میں آیا جب کہ صرف طبعی ارتقاء سے ایسا ہوا اور فاعل حکیم یعنی خالق کائنات کا عمل اس میں موثر نہیں تھا۔

(۶) چھٹی بات یہ ہے کہ انسان بن جانے کے بعد ارتقاء کیوں رک گیا اور اس سے آگے چل کر کسی اور اکمل نوع کی طرف ارتقاء کیوں نہیں ہوا۔ بلکہ یہ عمل ارتقائی مسلسل جاری رہنا چاہیے خواہ نمونہ موجود ہو یا نہ ہو۔ جماد کے وقت نبات نہ تھا، نبات کے وقت حیوان نہ تھا۔ حیوان مطلق کے وقت انسان نہ تھا۔ اور درمیان میں کسی خالق حکیم کا دخل وعمل بھی نہ تھا۔ تاکہ کچھ وقت تک ارتقائی عمل کرتا اور پھر اپنے ارادے سے اس کو بند کرتا بلکہ یہ سب کچھ صرف طبعی رفتار سے ہوا تو انسان پر پہنچ کر کیوں ارتقائی عمل ختم ہوا۔

ڈاروِن کا نظریہ ارتقاء اور اس کی تردید

ڈاروِن نے بھی ما قبل فطرت کی تحقیق کی توجیہ لامارک کی پیروی میں ارتقاء کے نظریے کے تحت کی۔ لیکن اس کا ارتقاء لامارک کے ارتقاء سے مختلف ہے۔ ڈاروِن نے اپنا ارتقاء "تنازع للبقاء، انتخاب طبعی" اور "بقاء اصلح" کے اصول پر قائم کیا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ فطرت صرف اسی نوع کو باقی رکھتی ہے جس میں بقاء کی صلاحیت ہو۔ باقی تمام انواع رفتہ رفتہ فنا ہو جاتی ہیں اور فطرت انتخاب طبعی کے

اصول کے تحت صرف انہیں انواع کا انتخاب کرتی ہے جو اس معیار پر صحیح اتریں، باقی کو فنا کرتی ہیں اور اسی نتیجہ کا نام بقاء اصلح ہے۔ اور انواع کی باہمی کشمکش کا نام "تنازع للبقاء" ہے اور اونٹ کی مثال کی اس نے یہ توجیہ کی ہے کہ لمبی گردن اونٹ کی خواہش کا نتیجہ نہیں بلکہ ابتداء میں دونوں قسم کے اونٹ موجود تھے۔ چھوٹی گردن والے بھی اور لمبی گردن والے بھی۔ دونوں میں تحصیل غذا کے لئے کشمکش رہی۔ جب نیچے کے پتے اونٹوں نے کھا کر صاف کر دیئے اور صرف بلند پتے رہ گئے جس کو چھوٹی گردن والے اونٹ نہیں پہنچ سکتے تھے تو وہ سب بھوک سے فنا ہوئے اور اصلح یعنی لمبی گردن والے اونٹ رہ گئے۔ پھر ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ جاری رہا۔ جس سے فنا شدہ اونٹوں کی کمی پوری ہو گئی۔ یہ ہے نظریۂ ڈاروِن جس کی بناء یہ ہے کہ بے رحم فطرت صرف قوی کو باقی رکھتی ہے اور کمزور کو مٹا دیتی ہے۔ ارتقاء کا اصل بانی لامارک ہے۔ لیکن یورپ میں اس کا نظریہ مقبول نہ ہو سکا۔ اور ڈاروِن کا نظریہ مقبول ہوا۔ گرچہ انکار خدا اور مادی ارتقاء پر دونوں متفق تھے وجہ یہ تھی کہ یورپ کے دور جدید میں کسی نظریہ کی مقبولیت معقولیت کی وجہ سے نہیں ہوتی ان کے جذبات کی موافقت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ چاہے وہ نظریہ کتنا ہی نامعقول ہو چونکہ ڈاروِن کا نظریہ یورپ کے جنگجویانہ مزاج اور استعمار پرستانہ مذاق کے موافق تھا کہ کمزور کو مٹ جانا چاہیے اور صرف قوی کو تنازع للبقاء کے میدان میں رہنے کا حق ہے۔ اس لئے تمام اسکولوں اور کالجوں میں اس نظریہ نے قبول تام حاصل کیا۔ اس سے پہلے یہ بھی معلوم ہوا کہ یورپ کی فکر عقلی کم اور جذباتی زیادہ ہے۔ یورپ کی عقل کی روشنی اکثر جذبات اور مفادات کی تاریکیوں میں گم ہو جاتی ہے اور اصل حقیقت کی طرف رسائی نہیں ہوتی۔ اب ہم ڈاروِن کے نظریہ پر تنقید کریں گے۔ جن چھ دلائل سے ہم نے لامارک کے ارتقاء کی تردید کی ہے۔ ان چھ دلائل سے ڈاروِنی ارتقاء کی بھی تردید ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم ان چھ دلائل کے علاوہ اور دلائل پیش کرتے ہیں تاکہ ڈاروِن کے ارتقاء کی حقیقت معلوم ہو سکے۔

نظریۂ ڈاروِن کی تردید

مارکس کا معاشی نظریہ بھی ڈاروِن کے نظریۂ ارتقاء پر مبنی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ڈاروِن کا نظریہ ہے کہ انسان کی تمام تبدیلیاں اور تمدن کے تمام انقلابات انسان کے خارجی ماحول کے تابع ہیں اور مارکس کے نزدیک یہ ساری تبدیلیاں معاشی حالت کی تبدیلیوں کے

ہیں۔ دونوں کے نزدیک انسان اپنے ماحول سے مجبور ہے اور اس کا غلام اور تابع ہے۔ اس کے اپنے ارادے کو اس میں دخل نہیں۔

ڈارون کا نظریہ جبر ہے

مارکس خود کہتا ہے کہ انسان کے ارادے کی تشکیل خارجی معاشی حالات سے ہوتی ہے۔ ان دونوں کا مذہب پر یہ اعتراض ہے کہ وہ تقدیر کا قائل ہے اور وہ انسان کو عمل سے معطل کرتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ تضاد نہیں۔ اس سے لامارک کا نظریۂ ارتقاء زیادہ سنجیدہ تھا کہ اس نے انسانی تبدیلیوں کو انسانی میلانات اور سعی و عمل کا نتیجہ تسلیم کیا تھا لیکن ڈارون نے اسے ماحول سے مجبور قرار دیا۔

(۲) ڈارون کے نظریہ بقاء اصلح میں ظالمانہ قوتوں کی حوصلہ افزائی ہے اور مظلوم انسانوں کو بے سہارا اور بے یار و مددگار چھوڑنے کی ترغیب ہے جس سے انسان کی فطری اخلاق رحم و شفقت علی الانسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور یہ دنیا میں بدامنی کی ایک تحریک ہے۔

(۳) ڈارونی نظریۂ ارتقاء اور مارکسی نظریۂ معاشی کے مطابق انسان بیرونی عوامل اور معاشی حالات کا ایک مجبور کھلونا بن جاتا ہے اور انسان کے ارادہ اور عمل کے لئے کوئی میدان باقی نہیں رہتا ہے وہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ماحول کا محکوم بن جاتا ہے اور سخر لکم ما فی السموٰت والارض کے تحت اس کو عالمی واقعات پر جو حاکمیت اور تسخیری قوت حاصل ہے وہ فنا ہو کر اس کی ترقی اور تخلیقی سرگرمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

(۴) گذشتہ دو جنگوں نے ڈارونی اور مارکسی دونوں کے نظریات کو غلط ثابت کر دیا۔ ڈارون کا ارتقاء تو اس نے غلط ثابت ہوا کہ گذشتہ صدی کی انسانی تعمیرات کو ان دونوں جنگوں نے بھسم کر دیا اور انسانی ارادے اور خواہشات نے ماحول کی ہر تعمیر کو خاکستر بنا کر فنا کر دیا۔ اور ارتقاء کو انحطاط میں تبدیل کر دیا۔ اور مارکسی معاشی نظریہ کو اس لئے غلط ثابت کر دیا کہ ان دونوں جنگوں میں زیادہ نقصان مزدوروں کو پہنچا جو شہر کے کارخانوں میں کام کر رہے تھے اور بم باری زیادہ تر شہروں پر ہوئی۔ اور ان جنگوں سے غریبوں کی غربت اور افلاس میں اضافہ ہوا۔ اقوام متحدہ کی سماجی و معاشی رپورٹ مندرجہ انجام کراچی ۷ مئی ۱۹۵۳ء میں درج ہے کہ دنیا کی نصف آبادی فاقہ کشی اور بیماری

میں مبتلا ہو گئی۔

(۵) ارتقاء کے متعلق جارج برنارڈ شا لکھتا ہے:

"کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جس شخص نے انسانیت کے سامنے یاس و نا امیدی کی ایسی ہیبت ناک خلیج کھول دی وہ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہے جس میں بھوک، موت، حماقت، ابلہی، اتفاقات اور اسی نوع کی دیگر کورانہ قوتیں کام کر رہی ہیں۔ حیرت ہے کہ نہ تو اسے سنگسار کیا گیا نہ انسانی نسل سے اس کی دشمنی پر اسے پھانسی دی گئی بلکہ الٹا اسے دنیا کا نجات دہندہ اور ایک نئے عہد کا پیغمبر مانا گیا!"

دوسری جگہ لکھتا ہے:

ڈارون کا نظریہ اس لئے مقبول ہوا کہ ہر جماعت ایک قسم کی اغراض رکھتی تھی جو یہ نظریہ ان اغراض کا موید تھا۔ جنگ کے حامیوں سے لے کر اشتراکیت پسندوں اور سرمایہ داروں تک نے اس کو پسند کیا۔ جنگ پسند اور سرمایہ داروں نے اس لئے پسند کیا کہ اس میں تنازع للبقاء اور بقائے اصلح کا تصور پیش کیا گیا اور اس نظریہ کی رو سے کمزوروں کو شکست اور بربادی اور طاقتوروں کی فتح مندی کو فطرت کا ایک ازلی قانون بتایا گیا اور بنی آدم اعضاء یک دیگر اند کا تو اس میں موجود تھا۔ اشتراکیوں نے اپنے نظام کو بقاء اصلح سمجھا"

ان باتوں سے معلوم ہوا کہ فکر جدید والوں کی لغزشیں تمدنی مسائل کے حل میں کس قدر خطرناک ہیں۔

تمدنی مسائل کے حل میں انسانی فکر کی حماقت

پروفیسر لاکی لکھتے ہیں ہم اپنے شخصی تجربات کی چار دیواری میں اس طرح محصور ہیں کہ غیر شعوری طور سے اپنی ذاتی بصیرت کو معیار حق قرار دیتے ہیں۔ سماجی انقلابات کی آدھی مصیبتیں ختم ہو جائیں گی اگر ہم اس یقین سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہو جائیں کہ ہماری ذاتی رائے ہمیشہ صحیح ہوتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانی معلومات میں علت و معلول کی بابت سائنٹیفک زاویہ حاصل کرنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا عالم طبیعی میں آسان

کا حصول آسان ہے کیونکہ اول الذکر کے متعلق ہماری رائے اور فیصلے میں وہ سارے جذبات و تعصبات دخیل ہو جاتے ہیں جن سے نجات حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ یہ جذبات و تعصبات ان مفروضات اور اصول موضوعہ کے انتخاب میں ہماری نظر کو متاثر کرتے ہیں جن پر ہم اپنے نتائج کی بنیاد رکھتے ہیں۔ طبیعیات اور کیمیا میں تو ہماری عقل ناطرفدار اور انصاف پسند رہتی ہے لیکن اضافی امور اور معاملات میں اس ناطرفداری اور انصاف کا دسواں حصہ بھی باقی نہیں رہتا۔

(اشتراکیت اور اسلام۔ صدیقی
ص ۲۹۸ تا ص ۳۰۷)

ماوراء الطبیعات اور نہایت لطیف حقائق کے متعلق فکر جدید کی نارسائی

گذشتہ تجربات سے یہ ثابت ہوا کہ انسان محسوس اور غیر لطیف ہونے کی باوجود فکر جدید کو ان کے معاملات میں حقیقت تک رسائی نہ ہو سکی اور غلط افکار کی وجہ سے انسانیت کو مبتلائے مصائب کر دیا جو ہدایات ربانی سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ اب ماوراء الطبیعات مثلاً خدا، ملائکہ، رسالت، آخرت، روح انسانی کے مسائل کے متعلق اس کی بے چارگی تو انسانیات کے مسائل کی نسبت زیادہ واضح اور نمایاں ہے اور انسان اس سلسلے میں صرف ہدایات ربانی اور الہامات خداوندی کا محتاج ہے جن فلاسفۂ مغرب نے خدا اور مذکورہ دینی حقائق سے انکار کیا۔ جیسے رابرٹ رنگرسال اس انکار کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہم ان اشیا کو نہیں جانتے، گویا لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں نہ یہ کہ ان دینی حقائق کا نہ ہونا ان کو معلوم ہے۔ الکلام میں فیض فلاریاں فرانسیسی کا یہ قول منقول ہے کہ تمام فلاسفۂ مغرب اس بات کو سمجھنے سے عاجز ہیں کہ وجود کیونکر متحقق ہوا اور اس نے کیونکر ترقی کی۔ لہذا ہم اس پر مجبور ہیں کہ ایک ازلی ابدی خالق کا اقرار کریں۔ فونتل انسائیکلوپیڈیا میں لکھتے ہیں کہ مقصد الطبیعیات فہم خالق ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ اور خالق کائنات کا وجود بدیہی ہے۔ پلوٹارک ایزک نیوٹن کہتا ہے کہ عالم کی موجودہ ترتیب ایک خدائے علیم و قدیر کے بغیر ناممکن ہے۔ ہربرٹ سپنسر کہتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی ابدی قوت خداوندی موجود ہے باقی امور کا علم بھی فکر جدید کے دائرے سے اس

لئے خارج ہے کہ انسان کے محسوس کیفیات اور معاملات سے جب فکر جدید قاصر ہے اس لئے کہ وہ مادی تجربے کے دائرے سے خارج ہیں تو ملائکہ، نبوت، روح انسانی آخرت حسن و قبح اعمال انسانی تک ان کی رسائی کیونکر ممکن ہو سکتی ہے۔ انسانی اعمال کے متعلق پارلیمنٹوں میں مفکرین جدید کے فیصلے روز بدلتے ہیں۔ کبھی آزادی تجارت کا قانون پاس ہوتا ہے جب اس میں خامی نظر آتی ہے تو پابندی لگا دیتے ہیں کبھی شراب نوشی کی آزادی کا قانون بنتا ہے۔ لیکن جب شراب کی مضرتیں نمایاں ہوئی تو ۱۹۳۲ء میں امریکہ نے بندش شراب کے قانون کو نافذ کرنا چاہا۔ لیکن شراب کے عادی عوام کے آگے ان کی بات نہ چل سکی۔ کبھی طلاق کی بندش کا قانون پاس کیا گیا اور اسلام پر قانون جواز طلاق کی وجہ سے انکار کرتے رہے لیکن جب ازدواجی حالات نے ان کو مجبور کیا تو جواز طلاق کا قانون پاس کیا گیا اسی طرح انسانی معاملات کے متعلق روز قوانین بنتے ہیں اور تجربہ کے بعد توڑے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے علم الحیات کے مشہور ماہر ڈاکٹر۔ ڈاکٹر لائیڈ مارگن نے لکھا ہے کہ انسانی ارتقاء کی توجیہ ممکن نہیں تاوقتیکہ اصل تخلیق یعنی خالق کائنات کا اقرار نہ کیا جائے۔ اگر ارتقاء طبعی بھی ہو تو سوال یہ ہوگا کہ ارتقاء کا تقاضا کہاں سے آیا۔ پھر ارتقاء ایک سیڑھی ہے اور ہر سیڑھی پر چڑھنے کے لئے ایک منزل مقصود کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ارتقاء سیڑھی کی طرح بالذات مقصود نہیں۔ منزل تک پہنچنے کے لئے مقصود ہے جو ذات رب العالمین ہے علم الطبیعیات کی مشکلات کا حل علم الحیات میں ہوتا ہے اور علم الحیات کے غوامض کا حل علم النفسیات میں اور علم النفسیات کے دقائق کا حل علم التعلیل و التحلیل المنطقی میں اور پھر علم التعلیل کے غوامض کا حل مقام روحانیات اور الہامات الٰہیہ میں ہے یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دو سو سال میں فکر جدید نے مادہ کے متعلق جو طے کیا تھا۔ اس کو جدید دریافت نے توڑ دیا کہ مادہ سالمات اور ایٹم نہیں بلکہ برق پارے ہیں اس کے بعد یہ دریافت ہوا کہ مادہ برق پارے نہیں بلکہ صرف قوت کا نام ہے جس کی صحیح تعبیر نور ہے۔ تو معاملہ خارجیت اور جزئیت سے ذہنیت اور کلیت تک پہنچا (فلسفۂ فطرت ۴۹)

عقل کی راہنمائی کے لئے وحی کی ضرورت

حقیقت یہ ہے کہ علم الطبیعیات اور محسوسات کے لئے جس طرح دو قسم کی روشنیوں کی ضرورت ہے۔ ایک داخلی روشنی جو آنکھ میں ہے اور ایک خارجی روشنی جو انسانی وجود سے باہر ہے جو عالم بالا سے تعلق رکھتی ہے اگر آدمی اندھا ہو تو بھی محسوسات مادیات اور طبیعیاتی تجربات

بے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تاوقتیکہ اس کی آنکھ میں روشنی موجود نہ ہو۔ لیکن اس روشنی کے وجود بھی دراصل سماوی اور قدرتی ہے موجود نہ ہو۔ تب بھی مادی نظریات کی دریافت ممکن نہیں۔ اسی طرح انسانیات ماوراء الطبیعیات ہوں مثلاً خدا، نبوت، ملائکہ، آخرت، مجازات اعمال، انسانی اعمال کے حسن و قبح اور اس کے دنیوی اور اخروی نتائج و آثار کے علم کے لئے بھی دو نور اور روشنیاں ضروری ہیں۔ داخلی جو عقل خدا داد ہے اور دوم خارجی روشنی جو وحی و الہام ربانی ہے۔ مادر عقل وحی کی روشنی میں ہدایت اور غیر مادی حقائق کو دریافت کرے۔ مادیات کم درجے کی چیزیں ہیں ان کے سبب دو روشنیوں کا انتظام فطرت کی طرف سے کر دیا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ ماورا

باوجود اگر سماوی روشنی مثلاً سورج یا اس کا قائم مقام بجلی وغیرہ جس کا الطبیعیات کے لئے جو مادیات سے زیادہ پوشیدہ، غامض اور مشکل حقائق ہیں۔ ان کے لئے عقل کے علاوہ خارجی روشنی یعنی وحی کی روشنی کے ذریعہ انتظام نہ کیا گیا ہو۔ یہ انتظام سلسلۂ وحی و انبیاء سے کیا گیا اور آخری چراغ اور اکمل روشنی وحی قرآنی کی شکل میں ابد تک کے لئے محفوظ کر دی گئی ہے

آں کتاب زندہ قرآن حکیم — حکمت او لایزال است و قدیم
صد جہان تازہ در آیات اوست — عصرہا پیچیدہ در آنات اوست

(اقبال)

اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام پر ایک اصولی سیاسی نظر

اشتراکیت اور سرمایہ داری ایسے دو نظام ہیں جو مادی تہذیب کے فرزند ناخلف ہیں۔ تاریخی تسلسل کے لحاظ سے چونکہ سرمایہ داری پہلے وجود میں آئی اور اشتراکیت اس کے بعد لہٰذا سرمایہ داری مادر تہذیب مادی کا بڑا بیٹا ہے اور اشتراکیت چھوٹا ناخلف۔ ہم نے اس لئے کہا کہ یہ دونوں ایک ماں سے پیدا ہونے کے باوجود آپس میں برادرانہ سلوک نہیں رکھتے بلکہ آپس میں برسرپیکار ہیں اور ان کی باہمی جنگ کا سلسلہ جس طرح جاری ہے جس کے ختم ہونے کی امید نہیں اور یہ دونوں فرزند اپنی مادر مشفقہ یعنی مادی تہذیب کے حق میں بھی ناخلف ہیں کہ مادی تہذیب جو کچھ مادی راحت و آسائش کا سامان مہیا کرتی ہے اور

طویل محنت و مسلسل جد و جہد سے جو کچھ تعمیر کرتی ہے یہ دونوں فرزند یا ان کی اولاد اور پیروکار عالمگیر جنگ برپا کر کے اس کو بھسم کر دیتے ہیں اور ماں بیٹوں میں تعمیر و تخریب کی جنگ جاری ہے۔ لیکن تا ہنوز ماں اور بیٹوں کی اس جنگ میں قطعی فیصلہ نہ ہو سکا۔ تا ہنوز نہ بیٹے پوری طرح تباہ ہوئے اور نہ ماں کا خاتمہ ہوا۔ شاید مستقبل قریب میں مادر تہذیب مادی کی اولاد نے جس فیصلہ کن جنگ کے لئے تیاری کی ہے اور ایٹم بم، ہائیڈروجن بم اور میزائل نظام سے لیس ہو گئی ہے۔ اس سے آخری فیصلہ ہو گا۔ اور ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اس آخری جنگ میں نہ کوئی فاتح ہو گا نہ مفتوح بلکہ فریقین جنگ دونوں کے دونوں فنا ہو جائیں گے اور مادر تہذیب اپنی ناخلف اولاد سمیت فنا ہو کر رہے گی۔ یہ پیشین گوئی اگرچہ قبل از وقت ہے لیکن وقت بتا دے گا کہ جو کچھ ہم نے کہا تھا وہی صحیح نکلا۔ اقبال مرحوم کا بھی یہی اندازہ ہے۔ ؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

اب تہذیب جدید کی حالت نزع اور جان کنی کا وقت ہے۔ لیکن اس قریب الموت تہذیب پر عاشقوں کا اس قدر ہجوم ہے کہ عالم اسلام کا جدید عنصر اس بستر مرگ پر پڑی ہوئی تہذیب کے اپنانے کے لئے سخت بے چین ہے اور اس کیلئے اپنے تمام تاریخی ورثہ کو قربان کرنے کے لئے تیار ہے۔ میرا روئے سخن تہذیب جدید کے اپنانے کی طرف ہے نہ کہ ہنر جدید کے اپنانے کی طرف کہ وہ خود مسلمانوں کی بقا کی ایک اہم ضرورت ہے، اور اسلامی تعلیم کے زاویۂ نگاہ سے "سامان جہاد" میں شامل ہے۔ جو فرض ہے لیکن تہذیب جدید اور ہنر جدید کا فرق ایسا ہے جس کو ہمارا عنصر جدید نہیں سمجھتا اور اسی کی وجہ سے تقریباً تمام عالم اسلام میں قدیم و جدید کی جنگ جاری ہے اور اسی نامعقول جنگ کا نتیجہ ہے کہ کوئی اسلامی حکومت مضبوط اور پائیدار نہیں۔ کاش کہ ارباب کالج اور ارباب مدارس ان دو مختصر لفظوں کا مطلب کسی وقت بھی سمجھ جائیں اور دونوں فریقین ان دونوں مقاصد کے لئے متفق ہو کر کام کریں۔

اور ایک طرف تہذیب جدید کی ایک ایک برائی کے خلاف قدیم و جدید علوم کے ماہر مشفقانہ اقدام کریں۔

۲۔ دوسری طرف دونوں مل کر ہنر جدید کی تحصیل کے لئے جد وجہد کریں۔

تاکہ مسلمانوں کی بدقسمتی کا خاتمہ ہو اور جذباتی و جوانی زندگی سے الگ ہو کر باہمی جنگ و جدال ختم کر کے دین و عقل کی روشنی میں ہر دو دائرۂ کار میں متفقہ اقدام کریں، پہلا دائرہ مغربی تہذیب کے خلاف جنگ کا، دوسرا دائرہ مغربی ہنر کی تحصیل کے لئے جد وجہد کا اگر فریقین ایک دوسرے کی بات سمجھنے کی کوشش کریں تو فکری انتشار اور تضادِ عمل کا فوراً خاتمہ ہو سکتا ہے، کیونکہ اربابِ اقتدار بھی اسلام کے تہذیبی ورثہ کے تحفظ پر زور دیتے ہیں، حال ہی میں مشرقی پاکستان کے گورنر نے مغربی تہذیب کی مضرت رسانی کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی تہذیب و تمدن کے تحفظ پر زور دیا۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اس انتشار کی بڑی ذمہ داری ان چند افراد پر ہے۔ جو فتنۂ استشراق کے شکار ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فکری و عملی وحدت پیدا نہ ہو۔ اور کسی وقت بھی طاقت ور نہ بن سکیں تاکہ سامراجیوں کا وہ فکری مقصد حاصل ہو جس کے لئے وہ کروڑوں روپیہ خرچ کر رہے ہیں۔ مذکورہ مشورے پر عمل کرنے سے زبان و قلم کی جنگ ختم ہو جائے گی اور ایک ایسا مثالی مضبوط اسلامی معاشرہ وجود میں آ جائے گا۔ جو مادی اسباب ترقی اور روحانی قوت دونوں کا جامع ہوگا۔

اسلامی معاشی نظام کی اعتدالیت و فطریت

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے۔ اس لئے اسلام نے اپنے معاشی نظام میں بھی فطرت انسانیہ کا لحاظ رکھا اور تمام فطری امور کو اپنی حالت پر رہنے دیا، البتہ جہاں کہیں ان میں کجی زیغ اور بے اعتدالی واقع ہوتی تھی، اس کا ازالہ کر کے اس کو اعتدال پر لایا گیا۔ اسلام کے معاشی نظریہ کے خلاف الحادیت اور اشتراکیت کے معاشی نظریہ میں چونکہ بے اعتدالیت اور فطرتِ انسانی کے حدود سے انحراف موجود تھا۔ کیونکہ یہ دونوں نظریات جذباتی تھے اور جذباتی نظریات کے لئے فطرت کی حدود شکنی لازمی ہے۔ اس لئے اسلام نے اپنا معاشی نظام ایسا معتدل اور موافقِ فطرت رکھا کہ اس میں انسان کے تمام طبقات کا معاشی تحفظ اور حقوق کی رعایت بھی موجود رہی اور سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام

کی تمام خامیاں بھی اس میں دور کی گئی ہیں۔ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں اُن تمام دروازوں کو بند کیا جن سے عوام کی معاشی حالت متاثر ہوتی تھی اور جن سے سرمایہ دار غریب طبقے کا خون چوستے تھے اور ان تمام امور کی بھی مخالفت کی گئی جن سے انسانی حریت اور شرافت اور خود مختارانہ جوشِ عمل پر بُرا اثر پڑتا تھا۔ مال کے حقوق کو اس نے حرکت میں تبدیل کیا اور غرباء میں امراء کے خلاف حسد و عداوت کو تیز کرنے کی بجائے حسنِ سلوک، یکجہتی اور اخلاق کے ذریعہ دونوں میں محبت کا رابطہ قائم کر کے فقراء کے حقوق کو محفوظ کیا گیا اور بجائے غیر فطری مالی مساوات کے امراء و غرباء میں اکتساب و رزق میں تباین ازلی تفاوت کو قائم کیا اور قوانین عدلیہ میں امیر و غریب اور شاہ و گدا کو برابر رکھا اور ایسے امور میں جو انسانی جد وجہد کی پیداوار نہیں اور جن پر انسانی سعی و عمل اور محنت کے ذریعے سے جائز طریقے سے بالذات یا بالواسطہ کسی انسان کا قبضہ نہ ہوا ہو، ان سب کو انسانوں کی مشترک ملکیت قرار دیا۔

یہ وہ دس اصول ہیں جن پر اسلام کے معتدل معاشی نظام کی عمارت قائم ہے۔

محور فطریہ انسانیہ کو اپنی حالت پر قائم رکھنا اور اشتراکی (کمیونسٹ) بے اعتدالی کی تردید | معاشی نظام

میں غیر فطری مصنوعی مالی مساوات ہے اور سرمایہ دارانہ نظام میں غیر فطری تفاوت ہے۔ اسلام نے اعتدال قائم کیا اور دونوں کی تردید کی۔ مصنوعی مساوات کی تردید کی کہ وہ خلافِ فطرت ہے۔ جب قدرت نے انسانوں میں دولت کی تحقیقی قوت میں فرق رکھا ہے۔ اس لئے سب انسانوں کی فکری اور دماغی قابلیت برابر نہیں اور نہ عملی قوت یکساں ہے۔ تو ان ہی دو قوتوں کے فطری تفاوت کی وجہ سے انسانی طبقات میں مالی تفاوت کا رونما ہونا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فکری اور دماغی قابلیت کے تفاوت کی وجہ سے تمام ملازم طبقوں کی تنخواہ یکساں نہیں اور نہ تمام تاجروں کی آمدنی برابر ہے، اور نہ تمام اربابِ صنعت و حرفت کی کمائی برابر ہے کیونکہ فکر و عمل کی قوت برابر نہیں۔ اس لئے فطری تفاوت کے ثمرات و نتائج کو اپنی اصلی فطری حالت کے مطابق قائم رکھنا معقول ہے اور اس فطری تفاوت مال کے خلاف جد وجہد درحقیقت فطرت کے خلاف جنگ ہے جس کو کسی طرح معقول قرار نہیں دیا جا سکتا اس لئے اسلام نے اس فطری تفاوت کو برقرار رکھا۔ اور امراء و غرباء کے دونوں طبقوں کا وجود تسلیم کیا اور امراء کے طبقے پر ایسی پابندی عائد کی کہ غریب طبقے کے حقوق بھی محفوظ

مکتبہ اشاعت الحق انفال بہاولپور

رہیں اور امرا اپنے فطری حدود سے تجاوز نہ کرنے پائیں یہ پہلی اعتدالیت ہے۔

سرمایہ دارانہ بے اعتدالی کی تردید اور امرا و غربا دونوں کے حقوق کی حفاظت

اسلام نے امرا پر حسب ذیل پابندیاں لگائیں تاکہ اعتدال پیدا ہو کر غریب طبقے کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔

۱۔ امیر طبقہ حدود فطرت و شریعت سے تجاوز کر کے سود کے ذریعہ مال میں اضافہ نہ کرے بلکہ اس کے برخلاف غریب طبقہ کی قرض حسنہ کے طور پر امداد کرے۔

۲۔ رشوت، ظلم اور دیگر ناجائز ذرائع سے مال نہ کمائے۔

۳۔ سرمایہ دار طبقہ وسائل رزق پر مثلاً تجارت، صنعت، کارخانہ سازی، زمینداری، ٹھیکیداری اور ملازمت پر صرف دولت کے اثر سے اپنا قبضہ جما کر غیر سرمایہ دار طبقے کو محروم نہ کرے۔ تاکہ ان وسائل سے غیر سرمایہ دار طبقہ بھی مستفید ہو سکے اور فطری تفاوت اپنے حدود میں رہے۔ تاکہ وہ قارونیت کی شکل اختیار نہ کر سکے۔ ورنہ بجائے فطری تفاوت کے قارونی تفاوت رونما ہوگا اور تمام وہ مفاسد اور خرابیاں رونما ہوں گی جو سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ لازم ہے۔

۴۔ امرا کے اموال میں فقرا غربا کے جو حقوق ہیں۔ اسلام نے قانون زکوٰۃ و عشر و خراج و دیگر صدقات کے ذریعے امرا کو فقرا کی حاجت روائی کے لئے جوابدہ قرار دیا تاکہ ہر سال امرا کے مال سے مناسب حصہ فقرا کو منتقل ہو کر فطری تفاوت اپنی حد کے اندر رہ کر بڑھنے نہ پائے

اسلام نے اپنے معاشی نظام میں کتنا زری اور اشتراکی معاشی نظام کی خامیوں کا ازالہ کیا

الکنازی اور سرمایہ دارانہ نظام میں سب سے بڑی خرابی سودی کاروبار ہے۔ اسلام نے ہر قسم کے سود کو مفرد ہو یا مرکب حرام قرار دیا۔ اور صرف اصل قرضے کی وصولی کی اجازت دی۔ ارشاد ہے:-

وَاِنْ تبتم فلکم رءوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون

اگر تم سود سے توبہ کر لو گے تو تم کو صرف اصل قرضہ ملے گا نہ تم ظلم کرنے کے مجاز ہو کر اصل قرضہ سے ایک کوڑی زائد لو اور نہ تم پر ظلم کیا جائیگا کہ اصل قرضہ سے ایک کوڑی کم ملے (قرآن)

اسی طرح سورۃ بقرہ پ ۳ میں

یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مؤمنین

اے ایماندارو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو اللہ کے فرمانے پر یقین ہے۔

اسی طرح

احل اللہ البیع وحرم الربوا

حلال کیا خدا نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو

ان تینوں آیات میں اللہ نے سرمایہ داری کے بنیادی نقص کو دور کیا اور سود کی تمام قسموں کو حرام ٹھہرایا۔ خواہ اضعافاً مضاعفہ ہو یا کم، چاہے ایک چوتھائی فیصد ہو۔ البتہ عرب میں ڈبل سود کا بھی رواج تھا، جو سود کی بدترین شکل تھی کہ جب بھی میعاد پر قرضہ ادا نہ ہوتا تھا تو میعاد کے بڑھانے کے ساتھ ساتھ سود کی مقدار بھی بڑھاتے تھے۔ یہاں تک کہ سود کی رقم دگنی سہ گنی ہو جاتی۔ اس کو بھی قرآن نے خصوصی طور پر حرام کیا۔ ولا تاکلوا الربوٰا اضعافاً مضاعفۃ میں یہی شکل سود کی مراد ہے۔

الغرض کہ قرآن نے سود کی تمام اقسام کے دروازے بند کر دیئے اور سود خوار کو ایسی شدید دھمکی دی گئی کہ قرآن میں کسی اور جرم پر ایسی دھمکی نہیں دی گئی۔ فرمایا:-

فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ

اگر سود نہیں چھوڑتے ہو تو پھر تیار ہو جاؤ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لئے

وان تبتم فلکم رءوس اموالکم

اگر سود سے توبہ کرو تو صرف قرض لینا ہوگا نہ اس سے زیادہ چاہے ایک پائی ہو۔

اس سے بعض مغرب زدہ لوگوں کی تحریف قرآن کی حقیقت واضح ہو گئی کہ قرآن نے مطلق سود کو بھی حرام کیا اور ایک مخصوص صورت کو بھی جو قبیح ترین تھی اس کی حرمت کو بھی خصوصیت کے ساتھ ممنوع قرار دیا ورنہ قرآن کے مضامین میں تعارض لازم آئے گا۔ فلکم رءوس اموالکم والی آیت صرف اصل قرضہ کی وصولی کے ساتھ جواز مخصوص کرتی ہے۔ اسی طرح وذروا ما بقی من الربوٰا والی آیت سود کو جو بھی باقی ماندہ مطالبہ ہو اس کو حرام قرار دیتی ہے۔ اب اگر حرمت صرف ڈبل سود سے مختص ہو تو ان دونوں آیتوں کے خلاف ہوگا اور اگر سب صورتیں حرام ہوں تو سب آیتوں پر عمل ہوگا۔ اور کوئی آیت متروک

اصل نہ رہے گی یہی معنی تقریباً چودہ سو سال سے ماہرین قرآن نے سمجھے۔

قرآن کا تواتر لفظی و معنوی

قرآن میں لفظی اور معنوی تواتر دونوں ہیں جس طرح الفاظ قرآن تواتر سے ثابت ہیں۔ اور ان کو زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے بدلا نہیں جا سکتا۔ تو قرآن کے واضح مطالب بھی متواتر ہیں جس زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے زمانے میں بھی ان متواتر معانی اور مطالب میں تبدیلی و تحریف کی گنجائش نہیں۔ خواہ ربٰوا یا سود ہو صوم و صلوٰۃ یا حج و زکوٰۃ یا دیگر مطالب متواترہ اگر بالفرض مطالب قرآنیہ متواترہ محفوظ نہ رہے اور ہر کس و ناکس جب چاہے اس کو تبدیل کر سکتا ہے تو پھر الفاظ قرآن کی محفوظیت بھی بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی کیونکہ حفاظت الفاظ کی غرض حفاظت مطالب و معانی ہیں۔ اگر معانی محفوظ نہیں تو صرف لفظ کی حفاظت سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا

حرمت متجزی نہیں

حرمت اشیاء میں اسلامی ضابطہ یہ ہے کہ اس میں قلیل و کثیر کے لحاظ سے تفاوت نہیں ہوتا کہ سود کثیر حرام ہو اور قلیل جائز ہو۔ چوری کثیر و قلیل دونوں حرام ہیں۔ ڈاکہ کے ذریعہ قلیل و کثیر مال کا نا دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ مردار کھانا قلیل و کثیر دونوں ناجائز ہے۔ لہٰذا سود میں یہ حد بندی کہ سود مفرد حلال ہو اور سود مرکب حرام ہو عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ الغرض جو چیز مدار حکم ہو، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اس سے حکم کی تبدیلی نہیں ہوتی مثلاً چوری حرام ہے اور حرمت کا مدار اس کا چوری ہونا ہے۔ اب چوری تھوڑی ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں حرام ہے اس میں کم و بیش، قلیل و کثیر کا حکم ایک ہی ہوگا کہ سب صورتیں حرام ہوں گی۔ اسی طرح مردار حرام ہے۔ خنزیر کا گوشت، نشہ آور چیز حرام ہے۔ ڈاکہ حرام ہے غصب اور ظلم حرام ہے۔ ان سب میں کم و بیش، قلیل و کثیر کا ایک ہی حکم ہوگا۔ اور سب صورتیں حرام ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کسی چیز پر فساد کی وجہ سے حرمت کا حکم لگاتی ہے۔ اور فساد خواہ قلیل ہو یا کثیر دونوں واجب الاجتناب ہیں۔

دین میں اس قسم کا تجدد، تجدد و اصلاح نہیں، تجدد فساد ہے اور تقلید فرنگ کا بہانہ ہے۔ بقول اقبالؒ ؎

مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ	افسوس یہ ہوتا ہے کہ آوازۂ تجدید

مسلم اور حربی، عبد اور مولیٰ میں جواز ربٰوا نہیں بلکہ عدم وجود ربٰوا ہے

بعض مغرب زدہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ فقہ میں مسلمان اور حربی محرمی اور غلام کے درمیانی ربٰوا کی صورت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ ان دونوں صورتوں میں فقہ نے جواز ربٰوا کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ ربٰوا کے وجود سے انکار کیا یعنی ان دونوں صورتوں میں ربٰوا شرعی متحقق نہیں۔ نہ یہ کہ ربٰوا شرعی متحقق ہے لیکن جائز ہے اور ان دونوں صورتوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ ربٰوا کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ بلا عوض مقابل کسی دوسرے شخص کا معصوم مال حاصل کیا جائے۔ عبد اور مولیٰ میں اگر کوئی ایسا تبادلہ ہو جائے کہ مولیٰ نے غلام کے ہاتھ سے دو روپے ایک روپیہ کے عوض میں لے تو چونکہ عبد اور غلام کے وہ دو روپے درحقیقت خود مولیٰ کے ہیں۔ اس لئے دو مالکوں میں تبادلہ نہیں ہوا بلکہ یہ ایسا ہوا کہ ایک مالک نے کسی شخص یعنی غلام کے پاس ایک روپیہ بطور امانت رکھا، اور دو روپے اپنے جو اس کے پاس تھے، واپس لے لئے۔

اسی طرح حربی کا مال مباح ہے۔ شکار اور صید کی طرح اس کی ملکیت نہیں۔ مالک حقیقی نے اس کی ملکیت کو ختم کیا ہے۔ اب صرف قبضہ ہی فیصلہ کن ہے۔ جب حربی کے مال پر قبضہ کیا گیا تو یہ ایسا ہے، جیسے شکار پر قبضہ کیا جائے۔ یہ بھی دو مالکوں میں تبادلہ نہیں۔ یہی راز ہے کہ فقہاء نے ان دونوں صورتوں میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا کہ یجوز الربٰوا بین المسلم والحربی وبین العبد ومولاہ بلکہ یوں تعبیر کی کہ لاربٰوا بین المسلم والحربی ثم ولابین العبد ومولاہ یعنی دونوں صورتوں سرے سے ربٰوا نہیں اور نہ ہی ربٰوا کا شرعی مفہوم ان میں موجود ہے۔

اسلام نے اکتناز، احتکار، ذخیرہ اندوزی اور وسائل رزق پر ایک طبقہ کا قبضہ ختم کیا اور اشتراکیت کے خلاف شخصی حریت کو برقرار رکھا

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولاینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ جو مال کا خزانہ جمع کرتے ہیں اور فقراء پر خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو (قرآن)

الذی جمع مالاً وعددہ یحسب	جو لوگ مال جمع کرتے ہیں اور گن گن کر

ان ماله اخلده کلا لینبذن فی الحطمة (قرآن)
جس کو رکھتے ہیں۔ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (قرآن)

صحیح مسلم میں معمر روایت حدیث نقل کرتے ہیں۔

من احتکر فهو خاطی
جو انسانی خوراک کو گرانی کی نیت سے ذخیرہ کرے وہ مجرم ہے

قرآن نے یہ ارشاد فرما کر ایک طبقہ کا انسانی ذرائع معاش پر قبضہ کرنے کو رد کیا۔

خلق لکم ما فی الارض جمیعا
وجعلنا لکم فیها معایش
یعنی زمین کے تمام ذرائع معاش سے استفادہ کرنا تمام انسانوں کا حق ہے۔

ہر انسان اپنی فطری قوت فکر و عمل سے اکتساب رزق حلال اور اضافہ ملکیت شخصی میں حدود شریعت کے اندر رہ کر آزاد ہے اور مالداری کا فطری تفاوت عین فطرت و حکمت ہے۔

نحن قسمنا بینهم معیشتهم ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضاً سخریا
ہم نے فطرۃً اکتساب معیشت کی توفیق انسانوں میں تقسیم کی ہیں اور ان میں اونچ نیچ رکھا ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔

مکتبہ [illegible] بہاولپور

بیضاوی لکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کو اپنے کاموں کے لئے استعمال کر سکیں اور ان میں الفت اور نظم قائم ہو تاکہ نظام عالم درست رہ سکے

حکمت تفاوت مالی

جس حکمت کی طرف قرآن نے اجمالی اشارہ کیا جس کی تفصیل یہ ہے :-

کہ نظم بشری اور جماعت بشریہ کی تالیف ایک اہم نصب العین ہے۔ انسانی فطرت دیگر حیوانات کے برخلاف اجتماعیت کا متقاضی ہے۔ ہر حیوان بجز انسان کے الگ تھلگ رہ سکتا ہے لیکن انسان مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے اجتماعیت کے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی انفرادی صورت میں زندگی نہیں گذار سکتا۔

حاجت لباس

انسان کو کپڑے کی ضرورت ہے تاکہ دفع حر و قر یعنی گرمی اور سردی سے بدن کی حفاظت کر سکے۔ کپڑا سوت سے بنتا ہے۔ لہٰذا اس کو

ایک مزارع کے تعاون کی ضرورت ہے کہ وہ کپاس کاشت کرے۔ پھر اس کو کپاس میں سے روئی اور بنولے کو ایک دوسرے سے جدا کر دینے کے لئے ایک اور معاون کی ضرورت ہے۔ روئی کو کات کر دھاگہ بنانے کے لئے وہ کاتنے والے کا محتاج ہے۔ دھاگہ حاصل ہونے کے بعد اس کو جلاہے کی ضرورت ہے کہ کپڑا تیار کر دے سینے کے لئے اس کو درزی اور رنگانے کے لئے رنگ سازی ضرورت ہے۔ اس پوری جماعت کے تعاون کے بعد وہ کپڑے سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اونی اور سوتی کپڑا ہو یا عورتوں کے لئے ریشمی کپڑا تو ان سب میں ایک انسان کو دیگر متعدد انسانوں کی اعانت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک انسان خود تنہا یہ سب کام انجام نہیں دے سکتا۔

مسکن کی حاجت

اسی طرح انسان کو مکان کی ضرورت ہے جس میں اینٹ چونا پتھر اور سیمنٹ حاصل کرنے کے لئے اس کو دوسرے انسانوں سے مدد لینی پڑتی ہے لکڑی کے کام کے لئے بڑھئی اور نجار اور لوہے کے کام کے لئے لوہار تعمیر کے لئے معمار اور مزدوروں کی ضرورت ہے۔ جب کہیں جا کر مکان تیار ہوگا علیٰ ہذا القیاس خوراک کی فراہمی کے لئے غلہ کاشت کرنے والا، پیسنے والا (قوا) یا تنور بنانے والا، ہنڈیا تیار کرنے والا، گھی اور مصالحہ فراہم کرنے والے کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جگہ صاف کرنے کے لئے بھنگی، حجامت درست کرنے کے لئے حجام، کپڑے دھونے کے لئے دھوبی کی ضرورت ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی کا نقشہ انفرادی نہیں۔ اجتماعی ہے اور انسان کا یہ اجتماعی نظام حیات حاجت پر مبنی ہے۔ اسی حاجت کی وجہ سے افراد انسانی میں ربط جوڑ اور نظم قائم ہے۔ اگر سب انسان مالداری میں برابر ہوں تو ایک انسان دوسرے سے کس طرح کام لے سکے گا۔ مثلاً اگر مساوی انسانوں میں سے ایک دوسرے سے کہے کہ میری حجامت بناؤ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ تم میری حجامت بناؤ۔ میں تم سے کس بات میں کم ہوں۔ یا یہ کہ میرے کپڑے دھو ڈالو۔ تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ تم میرے کپڑے دھو ڈالو۔ کیونکہ ہم دونوں برابر ہیں۔ قُلی سے کہا جائے کہ یہ صندوق اٹھاؤ تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کیوں اٹھاؤں مجھے اٹھانے کی حاجت نہیں تم خود اٹھاؤ۔ بہرحال کام لینے کے لئے تفاوت کا وجود ضروری ہے کہ کام لینے والا کام کا محتاج ہو اور کام کرنے والا اجرت اور پیسے کا محتاج ہو۔ لہٰذا عمل اور مال میں تبادلہ ممکن ہو سکے گا اور اگر مال یکساں ہو تو یہ تبادلہ ممکن نہیں۔ ہر انسان کو اپنا

کام اور عمل خود کرنا پڑے گا۔ لہٰذا انسانوں کا رابطہ قائم کرنے کے لئے مالی تفاوت کی ضرورت تھی تاکہ بے مال یا کم مال والا، مالدار کے لئے کام اور عمل کر کے مال کما سکے۔ لیکن اگر حاجت صرف عامل کی طرف سے ہوتی تو مالدار فرعون بے سامان بن جاتا۔ لہٰذا قدرت نے دو طرفہ حاجت کا نظام قائم کیا ہے۔ عامل اور مزدور کو اجرت تنخواہ اور مال کی حاجت ہے تو مالدار کو قدرت نے عمل کا محتاج بنا رکھا ہے تاکہ دو طرفہ حاجت کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کا محتاج ہے اور کسی میں شان استغناء اور بے نیازی پیدا نہ ہو تاکہ کوئی ایک دوسرے پر زیادتی نہ کر سکے

انسان کی مالی اور معاشی زندگی کے تفاوت کا اصلی سبب فطری

گزشتہ بیان کردہ حکمت کے تحت فطرت کا تقاضا یہ کہ تفاوت مالی حیثیت سے موجود ہونا تو ضروری ہے اور اس کے خلاف مصنوعی مساوات کی کارروائی فطرت کے خلاف جنگ ہے اور فطرت کیساتھ جو نظریہ برسر پیکار ہوگا اس کا شکست کھانا ضروری ہے چاہے اس نظریے کیلئے کروڑوں انسانوں کا خون ناحق بہایا جائے اور چاہے اس نظریہ کے تحت انسانیت کے ایک ہی کنبے کو طبقاتی جنگ کے جہنم میں ہمیشہ کیلئے دھکیلا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونسٹ ملکوں نے مصنوعی مساوات کے نظریہ میں شکست کھائی اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ روس وغیرہ ممالک ان میں سب خونریزیوں کے باوجود تنخواہ کا تفاوت ۱۲۰ ماہوار سے تیس ہزار ماہوار تک اب بھی موجود ہے۔ یہی انجام تمام غیر فطری مسائل میں ہر انسانی نظریہ کا ہے لہٰذا ضروری ہوا کہ فطری تفاوت سے لڑنے کی بجائے اس کو برقرار رکھا جائے اور ایک دوسرے فطری قانون کے ذریعہ معاشی زندگی میں صحیح فطری توازن قائم کیا جائے جسکو ہم تفصیل کیساتھ آئندہ بیان کریں گے اس فطری تفاوت کی منطقی اور فلسفی علت یہ ہے کہ مال کمانے کی علت صرف دو چیزیں ہیں اور وہی دو چیزیں مال کے اصلی عامل اور علت ہیں (۱) انسان کی فکری و ذہنی قوت تمام اہل قلم وغیرہ ذہنی قابلیت سے مال حاصل کرتے ہیں (۲) دوم بدنی اور جسمانی قوت تمام مزدور کسان وغیرہ قوت بدنی سے مال حاصل کرتے ہیں اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا فطرت نے یہ دونوں قوتیں انسان میں مساوی پیدا کر دیں ہیں اگر ایسا ہے تو ان دونوں قوتوں کا نتیجہ اور ان دونوں قوتوں میں تفاوت ہے کہ تمام انسانوں کی ذہنی ذکاوت وفراست وقابلیت یکساں نہیں بلکہ ایک کلاس کے طالب العلموں میں کوئی فیل کوئی پاس اور پاس بھی کوئی تھرڈ ڈویژن میں کوئی سیکنڈ ڈویژن اور فسٹ میں کامیاب ہوتا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ قابلیت فطرۃً مختلف اور متفاوت

ہے اسی طرح جسمانی قوت بھی سب انسانوں کی یکساں نہیں اور ہر آدمی گاما پہلوان نہیں اس جسمانی قوت کے تفاوت کی وجہ سے بھی اور ذہنی قوت کے تفاوت کی وجہ سے بھی انسانی فرق اس امر کی دلیل کہ ان دونوں قوتوں کے نتائج مالیہ اور آمدنیوں میں بھی فرق ہو۔ اور پوری انسانی تاریخ میں یہ تفاوت قدرتی طور پر موجود چلا آتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ایک باپ دو بیٹوں میں سے ہر ایک کو دس دس ہزار روپیہ برائے تجارت دیدے تو ایک ان میں سے اپنے حسن تدبیر اور ذہنی قابلیت سے کافی نفع کما لیتا ہے اور دس ہزار سے پندرہ ہزار بن جاتے ہیں اور دوسرا بیٹا بدتدبیری اور کم ذہنی کیوجہ سے اپنے اصلی سرمایہ کا کل یا بعض حصہ بھی کھو دیتا ہے اور پھر مصنوعی مساوات فطری تفاوت میں تبدیل ہو جاتی ہے اسی حکمت وعلت دونوں کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضا سخريا

اور ہم نے مال میں ایک کو دوسرے پر اوپر رکھا تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکے اور انسانی معاشرے کا نظم ونسق برقرار رہے

جوش عمل کے لئے حریت کی ضرورت

اسلام نے شخصی ملکیت کو برقرار رکھ کر اضافہ ملکیت کی تحریک کی وجہ سے اس نے مالکان کے تعطل کو دور کر کے ان میں جوش عمل پیدا کیا اور ان کو حیوانیت سے اٹھا کر مقام شرف انسانیت پر پہنچایا کہ وہ نظام اشتراکی طرح حکومت کے لئے مشین بن کر کام نہ کرے بلکہ ایک مالک با اختیار کی طرح سعی وعمل میں معروف رہے۔ اشتراکی معاشی نظام میں انسان دیگر انسانوں پر خدائی قائم کرتا ہے اور اس کی تمام قوتوں کو خود مختار نہیں بلکہ اپنے منشاء کے مطابق استعمال کرتا ہے جس سے وہ انسان نہیں رہتا، بلکہ حکومت کی ایک مشین بن جاتا ہے قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کیا۔

وان ليس للانسان الا ما سعى
وان سعيه سوف يرى

کہ انسان اپنی کوشش اور جدوجہد سے آزاد استفادہ کرنے کا مالک ہے اور جو کچھ اپنی سعی سے کمائے گا وہ اس کو دیکھ پائے گا

وهل تجزون الا ما كنتم تعملون

انسان کو اپنے ہی عمل کا بدلہ ملے گا۔

یہ قانون انسان کے دنیوی واخروی دونوں قسم کے اعمال پر حاوی ہے۔ اشتراکی نظام سے جانوروں کی طرح کام لے کر گھاس چارہ کھلاتا ہے جو انسان کو حیوان بنانے کے مترادف ہے

حرکتِ دولت

سرمایہ دارانہ نظام کی اس خامی اور کجی کو کہ اس میں دولت ایک خاص طبقہ میں ساکن ہو کر رہ جاتی ہے اور دوسرے لوگوں تک حرکت نہیں کرتی جس سے دوسرے لوگوں میں غربت اور افلاس رونما ہوتا ہے اور انسان کے اجتماعی جسم کا ایک بڑا حصہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح کہ اگر ایک شخص کے بدن کا خون چند اعضا بدن میں یا ایک عضو میں بند ہو کر رہ جائے۔ اور دوسرے اعضا کی طرف گردش نہ کرے۔ تو وہ اعضا یقیناً مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔ ایک شخص کے لئے خون اور جماعت کے لئے دولت یکساں طور پر مواد حیات ہے۔ قرآن نے پہلے اس بنیادی اصول کا اعلان کیا کہ

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (قرآن) — تقسیم سب میں اس لئے ضروری ہے کہ مال صرف اغنیا کے طبقے میں گردش نہ کرنے پائے

یہ تو اس بنیادی اصول کا اعلان تھا لیکن اسلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسلام نے اصلاحِ معاش کے لئے ایسے قوانین نافذ کئے جن سے حرکتِ دولت پر عمل ہو۔

۱۔ حرکتِ مادۂ حیات معادن باطنہ و ظاہرہ

اندرونِ زمین میں جس قدر دولت ہے خواہ سونا چاندی ہو یا لوہا ان میں فقہ اسلامی کے تحت ⅕ یعنی خمس لازم کر دیا گیا تاکہ گردشِ دولت کی تکمیل ہو (فتح القدیر باب الخمس) یہ تو معدنیات باطنہ کا حال ہے جو محنت مشقت کے ذریعے نکالے جاتے ہیں۔ باقی معدنیات ظاہرہ وہ مجموعی حیثیت سے تمام عوام کا حق ہے، کسی شخص کے ساتھ یا کسی طبقے کے ساتھ مختص نہیں۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۲ صفحہ ۱۵)

۲۔ قانونِ عشر ۱/۱۰

زمین کی ایسی پیداوار جس کی آبپاشی میں تکلیف نہ ہو۔ اس میں فقرا کے لئے دسواں حصہ ہے۔ ما سقتہ السماء او کان عثریا ففیہ العشر (صحیحین عن ابن عمر)

جو زمین بارش سے سیراب ہو یا دریا کی نمی سے نشوونما پائے اس کی پیداوار میں فقرا کا دسواں حصہ ہے۔

۳۔ نصف عشر ۱/۲۰

جو زمین رہٹ، ڈول، ٹیوب ویل سے سیراب ہو اس کی پیداوار میں فقرا کا بیسواں حصہ ہے

۴۔ ربع العشر ۱/۴۰

نقد اور اموال تجارت اور تمام کاروباری آمدنی میں نصاب اور ایک سال گزرنے کی شرط پر فقرا کے لئے چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فی صد کا حق ثابت ہے۔ تقریباً اسی کے لگ بھگ ان مویشیوں میں بھی فقرا کے لئے زکوٰۃ کا حصہ مقرر ہے جس کی تفصیل فقہ میں ہے۔ مثلاً پانچ اونٹوں میں ایک بکری یا اس کی قیمت، چالیس بکریوں یا دنبوں میں جو چر کر پلتے ہوں۔ ایک بکری یا ایک دنبہ یا اس کی قیمت، گائے، بیل اور بھینس اگر تیس ہوں تو ایک سالہ بچہ۔ چالیس ہوں تو دو سالہ بچہ۔

۵۔ غربا پروری اور مسکین نوازی اور حرکتِ دولت کا پانچواں اصول قانونِ فیٔ و غنیمت

کفار کے جو مال بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ فیٔ کہلاتا ہے اور جو جنگ کے ذریعہ ہاتھ آئے وہ غنیمت کہلاتی ہے خواہ زمین و مکانات ہوں یا اموال منقولہ جنگ کے بغیر خواہ بذریعہ صلح ہو یا اسلامی مملکت کی قوت کے اثر سے ہو یا اسلامی مملکت کی غیر مسلم رعایا اموال چھوڑ کر دوسرے ملک میں منتقل ہو جائے۔ ان اموال کا بڑا حصہ یتیموں اور مساکین اور مسافروں پر خرچ کیا جائیگا اور تین مصارف کے علاوہ جو تھا حصہ حکومت کے مصارف میں خرچ ہوگا۔ سورۂ حشر میں فیٔ کی تقسیم پارہ ۲۸ میں اس طرح بیان ہوئی ہے:۔

وما افاء اللہ علی رسولہ من اہل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب

جو مال کہ اللہ نے لوٹایا رسول پر ان بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے ہے مالک حقیقی کی حیثیت سے اور رسول کیلئے بحیثیت قابض و امیر ملت کے اور ان کے رشتہ داروں کیلئے اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کیلئے اس میں اللہ کا ذکر تبرکاً ہے رسول کا تذکرہ اخراجات حکومت کیلئے جن سے حضور کے بعد محتاج اقارب رسول پر اور مساجد وغیرہ پر خرچ ہوگا۔ باقی یتیموں محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے اس طرح جو مال غنیمت ہے یعنی جنگ کے ذریعہ حاصل ہوا ہو اس کا پانچواں حصہ محتاجوں کا حق ہے جس میں اقارب الرسول یتیم مساکین اور مسافر داخل ہیں۔ (سورۃ الانفال ع ۱۰)

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ

واعلموا

والیتامی والمساکین وابن السبیل میں بھی تقسیم مذکور ہے۔

۶۔ قانون نذور وکفارات — چھٹا قانون یہ ہے کہ جو آدمی خدا کیلئے نذر مانے یا قتل خطا اور یا بلا عذر افطار رمضان میں کرے یا ظہار کرکے بیوی سے مقاربت اختیار کرے اور کفارہ ساٹھ مساکین کا اس کے ذمہ لازم آجائے تو یہ سب محتاجوں کا حق ہے

۷۔ تصدق بالمال الحرام — سود اسلام میں حرام ہے اس طرح جوا بازی کا مال بھی حرام سٹہ بازی کا بھی ان اموال اور تمام حرام ذرائع سے کمائے گئے اموال سے بچنا لازم ہے لیکن اگر وہ مال موجود ہو تو اس کے ساتھ کیا کیا جائے تو اس کا استعمال خود اس کے لئے منع ہے۔ لیکن واما المال الحرام سبیله التصدق کے تحت چاہیئے کہ وہ محتاجوں پر تقسیم کیا جائے۔ تاکہ گناہ سے بچے اور آئندہ توبہ کرے۔

۸۔ لقطات ولاوارث مال — جو گمشدہ چیز مل جائے اور شرعی جستجو کے بعد مالک نہ مل سکے اسی طرح اگر ایک شخص مرجائے اور مال چھوڑ جائے اور شرعی وارث اس کا نہ ہو تو وہ بھی بیت المال کے ذریعہ محتاجوں کا حق ہے۔

مَنْ اَحْيَا اَرْضًا مَيْتَةً فَهِيَ لَهُ وَلَيْسَ لِعِرْقٍ ظَالِمٍ حَقٌّ (متفق علیہ عن عائشہ رض)

۹۔ احیاء موات — جو سرکاری زمین غیر آباد ہو اور کوئی کاشتکار اسکو آباد کرے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے اور اس راہ میں رکاوٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں اگرچہ اس شخص نے حکومت سے اجازت نہ حاصل کی ہو۔ یہی امام مالکؒ شافعیؒ کا مذہب ہے البتہ امام ابوحنیفہ نزدیک مالک بن جانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ آباد کار نے حکومت سے اجازت حاصل کی ہو تاکہ آئندہ دوسرے لوگ مزاحمت نہ کر سکیں۔

۱۰۔ خمس الرکاز — حدیث میں ہے وفی الرکاز الخمس (متفق علیہ) رکاز معدنیات اور زمین کے مدفونہ اموال جن کا کوئی مالک معلوم نہ ہو ان سب کا پانچواں حصہ محتاجوں کا حق ہے جو ان پر تقسیم ہوگا۔

۱۱۔ خراج اور عشور — زمین کی مالگذاری اور وہ محصول جو تاجروں سے لیجاتی ہے بشرط نصاب سال میں ایک بار مسلمان تاجر سے چالیسواں حصہ ذمیوں سے بیسواں اور حربیوں سے دسواں لیا جائیگا۔ ان دونوں میں بھی محتاجوں کا

حق ہے۔ الکتاب الخراج ابو یوسف۔ ص۱۳۳

قانون استحبابی فقرا نوازی حسن اخلاق کے ذریعہ نہ حسن عدالتی کے ذریعہ — اگر ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ عوام غربت اور افلاس کا شکار ہوں تو امراء کے پاس اپنی ضرورت سے جس قدر مال زائد موجود ہو وہ قانون استحبابی کے تحت سب فقراء میں تقسیم ہو۔

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ۔ — آپ سے لوگ پیغمبرؐ پوچھتے ہیں۔ فقراء پر کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں کہ تمام وہ مال خرچ کرو جو ضرورت سے زائد ہو۔

ابن حزم ضرورت کے وقت اغنیاء کے اموال کو فقراء پر برابر تقسیم کرنا لازمی قرار دیتے ہیں اور اس پر اجماع صحابہ نقل کرتے ہیں — ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں کہ علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ نے اغنیاء پر ضرورت فقراء کو فرض قرار دیا ہے

اگر فقراء بھوکے اور ننگے ہوں اور اغنیاء کے نہ دینے کی وجہ سے تکلیف میں پڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا اور سزا دے گا۔ ضرورت کے وقت اغنیاء سے مال لے کر سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ ابو عبیدہ بن الجراح اور تین سو صحابہؓ نے توشہ جمع کرکے سب پر برابر تقسیم کیا۔ جن کے توشہ دانوں میں کم کرکے برابر بقدر قوت سب کو دیتے رہے۔ عربی عبارت یہ ہے:-

عن علی ان اللہ فرض علی الاغنیاء فی اموالهم بقدر ما یکفی الفقراء فان جاعوا او عروا وجهدوا بمنع الاغنیاء فحق علی اللہ ان یحاسبهم یوم القیامة ویعذبهم وعند الحاجة بقسم المال علی السواء صح عن ابی عبیدہ بن الجراح وثلاث مائة من الصحابة ان زادهم فنی فجمعوا ازوادهم فی مزودین وجعل یقوتهم علی السواء فهذا اجماع مقطوع به من الصحابة (المحلی ج ۶ ص۱۵۸)

پھر اسی طرح ابوسعید کی مرفوع حدیث اور حضرت عمرؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ لفظ یہ ہیں:-

عن ابی سعید مرفوعا من کان معه فضل ظهر فلیعد به من لا ظهر له ومن کان معه فضل زاد فلیعد به من لا زاد له قال فذکر اصنافا من المال حتے رئینا انه لا حق لنا فی الفضل فضول اموال الاغنیا یقسم علی فقرا المهاجرین وهذا فی غایة الصحة والجلالة ۔ (محلی ج ۶ صـ۱۵۶)

ابوعبیدہ بن الجراح کے ہمراہ تین سو صحابہ تھے۔ جن میں اکثر کے پاس توشہ یعنی زادِ راہ ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے جن کے پاس زادِ راہ تھا۔ ان سے لے کر سب پر برابر تقسیم کیا اور صحابہ میں سے کسی نے اس کے فعل پر اعتراض نہیں کیا۔ ابوعبیدہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور لسانِ رسالت سے آپ کو امینِ امت کا خطاب ملا ہے۔ ابوسعید حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو وہ اس شخص کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زادِ راہ زائد موجود ہو وہ اس کو دیدے جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی کئی ضرورت کی چیزیں ذکر فرمائیں۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ ہمارے پاس جو چیز ضرورت سے زائد موجود ہو اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (محلی صـ۱۸۵ ج ۶)

حضرت عمرؓ سے ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے جن حالات کا بعد میں علم ہوا۔ اگر مجھے اس کا پہلے علم ہوتا تو میں دولتمندوں سے ضرورت سے زائد اموال لے کر فقرا مہاجرین پر تقسیم کرتا۔ اس روایت کی سند نہایت صحیح اور جلیل الشان ہے۔ قل العفو والی آیت اور ان روایات پر نظر ڈال کر کیا اس امر کا یقین حاصل نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے معاشی نظام میں عوام کی حالت اشتراکی نظام کی نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ پُر محبت و خلوص ہوگی اور وہ تمام نقائص بھی نہ ہوں گے جو اشتراکی نظام میں موجود ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی فرماتے تھے کہ جب میں نے صرف اس ایک آیت یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو کا ترجمہ لینن کو سنایا تو جوش میں آکر اس نے کہا کہ اگر ہم پہلے اس سے واقف ہوتے تو ہمیں کمیونزم کی ضرورت نہ ہوتی۔ بہرحال ابن حزم نے جو کچھ لکھا وہ ان کے نزدیک یہ ایک جبری قانون ہے۔ لیکن اگر اس کو باہمی رضامندی اور جذبۂ اخوۃ کے تحت رضاکارانہ طور پر عمل میں لایا جائے تو یہ معاشی خوشحالی کے لئے بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔

قانونی مساوات اور شاہ و گدا کی برابری

امراء عوام کے حقوق کو اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ غصب کرتے ہیں۔ اور پھر عوام کی حق رسی نہیں ہوتی۔ لہذا حکومت کا ہونا نہ ہونا عوام کے لئے برابر ہو جاتا ہے۔ اسلام نے قانونی حقوق میں مساوات قائم کرکے اس خامی کو دور کیا اور شاہ و گدا کو قانون انصاف کے آگے برابر کر دیا۔ زبانی دعویٰ تو ہر حکومت کرتی ہے لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے اسلامی تاریخ کے علاوہ کسی دین و آئین میں مساوات قانونی کا عملی رنگ موجود نہیں۔ خلفاء اور شاہانِ اسلام کو ایک معمولی غریب کے دعویٰ کی جواب دہی کے لئے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا اور عدالت کا فیصلہ ملتے ہی اس پر عمل کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ مساوات قانونی کے عملی واقعات سے لبریز ہے ہم اختصاراً ان کو ترک کرتے ہیں لیکن اس کے برخلاف انگلستان کے آئین میں صاف لکھا ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔

اسلامی معاشی نظام میں اشیاء مشترکہ

اسلام کے معاشی نظام میں اشیاء مشترکہ یا بالفاظ دیگر اسلامی اشتراکیت — اسلام دین فطرت ہے۔ لہذا اس نے اپنے معاشی نظام میں ایسی اشیاء کو شخصی ملکیت سے مستثنیٰ کر کے مشترک عوامی ملکیت میں شامل کیا۔ جن کا تعلق انسانی جد و جہد اور انسانی سعی و عمل سے نہیں اور جن کی ضرورت سب عوام کو ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

علویات میں سے آفتاب و ماہتاب اور سفلیات میں سے پانی اور دریا کا ہو یا سمندر کا، آگ، گھاس، نمک، خشکی یا آبی شکار مشترک ہیں۔ (ابن ماجہ، ہدایہ، کتاب الخراج امام ابو یوسف) ان مذکورہ اشیاء کے ساتھ سب عوام کا حق متعلق ہے۔ کوئی کسی کو محروم نہیں کر سکتا۔ اور نہ حکومت عوام پر پابندی لگا سکتی ہے۔ الا اس صورت میں کہ عوام کو اس میں نقصان ہو۔ دریاؤں میں سے ہر آدمی کو پانی پینے کا حق ہے۔ جانوروں کو پانی پلانے کا بھی حق ہے۔ نالی کھود کر سیراب کرنے کا بھی حق ہے۔ اس میں کشتی چلا کر پیسے کمانے کا بھی حق ہے۔ اس کے پانی میں مچھلی پکڑنے کا بھی حق ہے۔ خواہ دریا ہو یا سمندر۔ اسی طرح خودرو گھاس میں ہر آدمی کا حق ہے خواہ خود کاٹے یا اگر مالک زمین کو عذر ہو تو وہ خود کاٹ کر اس کے حوالے کر دے۔ اسی طرح پہاڑ سے قدرتی نمک حاصل کرنا ہر آدمی کا حق ہے کہ اس سے استفادہ کرے۔ زمینی، سمندری اور دریائی شکار پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ تمام عوام اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سمندر سے جو

جواہرات عنبر وغیرہ نکلتے ہیں، وہ سب کا حق ہے۔ وفی الغایۃ شرح ھدایہ فیما فی البحر لا یملک الامام ان یخص واحدا دون واحد۔ بادشاہ کا حق نہیں کہ سمندری اشیاء کو کسی کے لئے مختص کر دے۔

مرافق بلد جو غیر مملوکہ زمین شہر سے باہر ہو لیکن شہر والوں کو اس کے جنگل میں سے لکڑی جلانے کی ضرورت ہو یا مویشی چرانے کی، ایسی زمین مشترک رہے گی، تاکہ شہری ضرورت اس سے پوری ہو سکے۔ وہ موات کے حکم میں نہیں کہ کوئی ایک فرد اس پر قبضہ کرے اور نہ یہ جائز ہے کہ حکومت وہ کسی کو بطور جاگیر دے۔

وماکان خارج البلد من مرافقها ومحتطباً لاهلها ومرعى لهم لا يكون مواتاً فلا يملك الامام اقطاعها (عنایہ علی الہدایہ صـ۳۵ ج ۴)

فنائے عامر مشترک ملکیت ہے آبادی کے قریب متصل زمین عوام کی ملکیت ہے جس میں وہ مویشی چرائیں گے اور کٹی ہوئی فصل رکھیں گے تو ان منافع عامر کے متعلق کی وجہ سے وہ زمین موات کے حکم میں نہیں۔ وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں بن سکتی۔

وفی الزیلعی علی الھدایہ صـ۳۸ ج ۴) وفناء العامة ينتفعون به لانهم محتاجون اليه لمرعى مواشيهم وحصائدهم فلم يكن انتفاعهم منقطعا منه ظاهرا فلا يكون مواتا

معادن ظاہرہ عوام کی ملکیت ہے المعادن الظاهرة وهي التي يوصل اليها بغير مؤنة فينتابها الناس وينتفعون بها كالملح والماء والكبريت والقير والموميا والنفط والكحل والياقوت ومقاطع الطين واشباه ذلك. لا تملك بالاحياء ولا يجوز اقطاعها لاحد من الناس (المغنی لابن القدامہ صـ۱۵۵ ج ۴)

کھلے معدنیات جن تک رسائی میں زیادہ تکلیف نہ ہو اس کو عوام باری باری سے استعمال میں لائیں گے، اور اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ جیسے نمک، پانی (جس میں سوئی گیس بھی داخل ہے۔ گوگرد، تارکول، مومیائی، مٹی کا تیل، پٹرول، سرمہ، یاقوت اور خاکی ٹکڑے (جس میں کھاد بھی داخل ہے)

خراج اور مالگذاری میں عوام کا حق الخراج فيئ لجميع المسلمين ان عتب على ارض الخراج وانقطع الماء او اصطلم الزرع فلا خراج (کتاب الخراج لابی یوسف)

خراج تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ اگر زمین پر آفت آپڑے یا پانی نہ ہو یا فصل برباد ہو جائے تو خراج وصول نہیں کیا جائے گا۔

ادائے کفایت مزارع مسلم و غیر مسلم کو تخم بیل وغیرہ کی رقم دی جاتی تھی۔ ان یدفع للعاجز کفایته من بیت المال (فتح القدیر صـ۱۵۵)

غیر مسلم رعیت بھی اگر محتاج ہو تو وہ بیت المال سے وظیفہ کی مستحق ہے معاہدہ حیرہ کے سلسلہ میں فاروق اعظمؓ کا فرمان ہے کہ جو بوڑھا کام نہ کر سکے یا اس کو کوئی آفت پہنچے یا مالداری کے بعد فقیر ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو اس سے جزیہ معاف ہے اور اس کو اور اس کے سارے کنبے کو سرکاری خزانہ سے اخراجات دیئے جائیں گے۔ جب تک اسلامی مملکت میں رہے۔ اگر اسلامی مملکت سے نکل جائے تو پھر اسلامی سلطنت پر اس کا خرچ لازم نہیں۔ (کتاب الخراج امام ابو یوسف صـ۸۵)

معاشیات اسلام کا تفصیلی نظام معاشیات کا تعلق چونکہ انسان سے ہے اور انسان مختلف پہلو رکھتا ہے۔ چونکہ انسان ایک شخصی وجود رکھتا ہے اس لئے اس کا ایک پہلو انفرادیت[1] کا ہے اور اس لحاظ سے کہ ایک انسان کو دوسرے انسانوں سے اجتماعی تعاون کی ضرورت ہے۔ اس وجہ سے اس کا دوسرا پہلو اجتماعیت[2] کا ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ زندہ مخلوق ہے اور اس کی بقاء حیات کے لئے مخصوص اسباب کی ضرورت ہے۔ اس جہت سے وہ معاشیات[3] کا موضوع ہے۔ انسانیت ایک روحانی مخلوق ہے۔ اس لئے وہ روحانیت[4] کا بھی موضوع ہے۔ انسان ایک مخصوص فطرت رکھتا ہے اس لحاظ سے وہ نفسیات[5] کا موضوع ہے۔ انسان کو چونکہ کائنات اور خالق کائنات دونوں سے تعلق ہے۔ اس لئے انسان کا ایک کائناتی پہلو[6] ہے اور ایک الہیاتی پہلو بھی۔ اب جو مفکر انسان پر صرف معاشی حیثیت سے غور کرے گا۔ وہ خطرناک غلطی کا مرتکب ہوگا۔ جس طرح اگر کوئی دل کا مریض ہو اور معدے کا بھی، پھر دماغی مرض میں بھی مبتلا ہو تو جو ڈاکٹر یا حکیم اگر اس کا علاج بحیثیت مریض قلب کرے گا اور معدے اور دماغ کے مرض کو نظر انداز کرے گا تو ایسی

صورت میں اس انسان کی ہمہ جہتی صحت بحالی ناممکن ہے۔ اگر انسانی اعضا میں بلحاظ صحت باہمی ارتباط موجود ہے جس کی وجہ سے اس کی کلی صحت تمام اعضائی پہلوؤں کے ممکن علاج کرنے پر موقوف ہے تو ایک انسان کا علاج بھی صرف معاشی نقطۂ نظر سے غلط ہے۔ جب تک اس انسان کا تمام پہلوؤں کے لحاظ سے علاج نہ کیا جائے، اشتراکی اور اکتنازی نظریات میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان منکرین نے انسان کے صرف ایک پہلو (معاش) پر نظر ڈالی اور باقی تمام پہلوؤں کو نظرانداز کیا۔ اس لئے الجھنیں بڑھتی گئیں، اور معاشی مسئلہ بھی حل نہ ہوا۔

اسلام کا ہمہ جہتی معاشی حل

اسلام چونکہ دین الٰہی ہے جس کی تمام انسانی پہلوؤں پر نظر ہے۔ اس لئے اس نے انسانی انفرادیت کو بھی قائم کیا اور جائز طریقوں سے انسان کو رزق کمانے اور شخصی ملکیت برقرار رکھنے کی پوری آزادی دی۔ اور کوئی طاقت اس کی فطری آزادی کو سلب کرنے کی مجاز نہیں۔ قرآن پاک کا اعلان ہے۔

ان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یری

ہر انسان اپنے ... کے لئے سعی کرے ... میں آ ... اور ... کا ثمرہ صرف ... کا حق ...

مکتبہ شمس الحق افغانی

بیہقی کی حدیث ہے کہ:

طَلَبُ الحَلالِ فَرِیضَہ بَعدَ الفَرِیضَہ

دینی فرائض کے بعد رزق حلال کمانا بھی انسان پر فرض ہے

اذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ (قرآن)

جب نماز سے فارغ ہو جاؤ، تو زمین میں تلاش معاش کے لئے پھیل جاؤ۔

ان ہدایات میں معاشی ضروریات کے لئے سعی و عمل کی دعوت ہے اور عمل کا بڑا محرک فطرۃً شخصی ملکیت کا تصور اور اختصاص و انفرادیت کا جذبہ ہے۔ جس فطری امر کو اسلام نے برقرار رکھا بلکہ ان ہدایات کے ذریعہ اس کو عمل پر ابھارا۔

اجتماعیت

لیکن انفرادیت کا تقاضہ پورا کرنے کے بعد اسلام نے انسان کے اجتماعی پہلو کے متعلق بھی ہدایات دیں۔ اور اجتماعی دائرے کے فرائض سے بھی اس کو آگاہ کیا۔ اسلام نے انسان کو یہ تصور دیا کہ پوری انسانیت ایک برادری ہے اور ایک ہی کنبہ ہے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہے۔

یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔

اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ماں باپ سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور ذاتیں بنائیں تاکہ ایک دوسرے کا حق پہچانو۔

روح المعانی ج ٢٦ صـ ١٦٣ میں ہے کہ:

لیعرف بعضکم بعضا فتصلوا الارحام وتبینوا الانساب والتوارث لا لتفاخروا الخ

یعنی یہ کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو اور حق قرابت ادا کرو اور انساب پہچان کر میراث کو اس کے مطابق تقسیم کرو۔ نہ اس لئے کہ تم ایک دوسرے پر بڑائی جتلاؤ۔

بیہقی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث نقل کرتے ہیں۔

الناس عیال اللہ احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ

تمام اولاد آدم اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کو سب مخلوق میں وہی محبوب ہے جو کنبہ کے ساتھ احسان کرے

وفی اموالہم حق معلوم للسائل والمحروم

قابل تعریف وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ اور فرائض واجبات کے علاوہ اپنے اموال میں سے سائل اور بے مال کو مالی مدد دینا اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں۔

یہی تفسیر مجاہد ابن عباس سے روح المعانی میں مرقوم ہے۔ اب جو قومیں خواہ روسی ہو یا امریکی جب وحدت بشری کے اس فطری اجتماعی مسئلہ کو نظرانداز کرے تو اس قوم کی ساری کوشش اس حیثیت سے ہوگی کہ روسی امریکی قوم سربلند ہو۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ باقی اقوام کو مغلوب اور مفلس اور قلاش بنا کر صرف ایک قوم کا پیٹ بھرنا اس کے پیش نظر ہو اور اس کی وجہ سے عام معاشی عالمی حالت خراب ہو جائے گی جیسے آج کل کا مشاہدہ ہے اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق نصف انسانی آبادی روٹی سے محروم ہے۔

انسان کا روحانی پہلو

انسان ایک روحانی مخلوق بھی ہے اگر اس کو اللہ سے ربط اور نتائج اعمال اور مکافات عمل کا یقین ہو تو بخل حرص

تکبر اور حب ذات اور حب قوم کی گندی آلائشوں سے پاک ہو تو اس کی اپنی معاشی حالت بھی ٹھیک ہو گی اور دوسرے انسانی افراد کو بھی اس سے فائدہ پہنچے گا۔ اور کوئی دوسرا انسان اس کے ظلم کا شکار نہ ہو گا۔ لیکن اگر خود انسانی روح ناپاک ہو تو اس کا وجود دوسرے انسان کے لئے وبال ہو گا اور ہر وقت دوسرے انسان اس کے جانی و مالی مظالم کے تختۂ مشق بنتے رہیں گے، قوانین خواہ اچھے ہوں یا برے، لیکن ان کو نافذ کرنے والا بہرحال انسان ہی ہو گا۔ جب انسان کی روحانیت بگڑی ہوئی ہو۔ تو قوانین چاہے عادلانہ ہوں وہ کیا کر سکتے ہیں جس کی چشم دید دلیل دورِ حاضر کی بڑی طاقتیں ہیں، جو آئے دن ضعیف اقوام کو تباہ کر رہی ہیں۔ اور ان کو اقوام متحدہ نہ روک سکتی ہے اور نہ زبان سے ظالم و جارح کو ظالم و جارح کہہ سکتی ہے۔ خود ویٹ نام میں امریکہ کی تباہ کن کاروائی اور عرب کے خلاف بڑی طاقتوں کے اشارہ پر یہود کے مظالم اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ اقوام متحدہ کو زبان اور قلم ہلانے کی بھی ہمت نہیں کہ برے کو برا کہہ سکیں۔ قرآن نے صحیح فرمایا:-

قد افلح من ذکٰھا وقد خاب من دسّٰھا۔

کامیاب ہوا وہ انسان جو روح کو پاک کرے، اور ناکام ہے وہ انسان جس نے اغراض و مصالح دنیوی کی گندگی سے روح کو آلودہ کیا

انسان کا نفسیاتی پہلو

انسانی نفس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے انسان میں مال کی محبت رکھی ہے، جس کی حکمت یہ ہے کہ اگر انسان میں کلیۃً حب مال نہ ہو تو وہ طلب مال چھوڑ دے گا جس سے دنیا کی رونق بھی ختم ہو جائے گی اور چونکہ مال ہی سے انسانی زندگی قائم ہے۔ پس اگر مال نہ ہو تو خود انسان بھی ختم ہو جائے گا۔ یہی وہ فطری محبت ہے جس کو قرآن ان بلیغ الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب

اس آیت میں دنیوی محبوبات کی پوری تفصیل فہرست بیان کی گئی کہ انسان کو فطرۃً انسانوں میں سے بیویوں اور اولاد سے محبت ہے اور جمادات میں سونے چاندی کے انباروں سے اور حیوانات میں عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں

سے اور نباتات میں سے کھیت اور فصلوں سے

دوسری آیت میں یہ بتایا گیا کہ انسان مال کی محبت میں حد سے زیادہ حریص اور شدید ہے۔ انہ لحب الخیر لشدید۔ اسی لئے معاشی نظام کی درستی کے لئے انسان کے اس نفسیاتی جذبہ کی اصلاح اور اس کو اعتدال پر لانا ضروری ہے۔ جس کے لئے اسلام نے مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔

۱۔ مذکورہ فہرست کے بعد قرآن کا ارشاد ہے:-

ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب۔

یہ مذکورہ چیزیں چند روز فائدہ اٹھانے کا سامان ہیں اور اللہ کے پاس وہ چیز ہے جو انجام حیات کے لحاظ سے بہت عمدہ ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوا:-

بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر و ابقٰی۔

اس دورِ حیات کے فائدہ کو تم ترجیح دیتے ہو۔ اور زندگی کا اصل آخری دور عمدگی میں دنیا سے بڑھ کر ہے، اور پائدار بھی ہے

قرآن چونکہ خدائے حکیم کا کلام ہے۔ اس لئے وہ نفسیاتی گر سے واقف ہے کہ مال اور دنیوی فوائد کی فطری محبت توڑی نہیں جا سکتی البتہ موڑی جا سکتی ہے۔ یعنی اس محبت کا ازالہ نہیں ہو سکتا، البتہ امالہ ہو سکتا ہے۔ یعنی اس محبت کا رخ ایک بڑے محبوب کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔ اس لئے قرآن نے گذشتہ آیات میں دنیوی نعمتوں کا اخروی نعمتوں کے ساتھ موازنہ کیا کہ اخروی نعمتوں میں بلحاظ انجام حسن ہے۔ لیکن دنیوی نعمتوں کا انجام فنا ہے اور اخروی نعمتیں دنیوی نعمتوں کی بہ نسبت بہتر ہیں اور یہ بہتری اگرچہ لامحدود ہے۔ لیکن اگر ان دونوں کے تفاوت کو پتھر اور سونے کے درمیان جو تفاوت ہے اس کے مماثل قرار دیا جائے۔ تو بھی کوئی عاقل سونے پر پتھر کو ترجیح نہیں دے گا۔ اور نہ سونے سے پتھر کو زیادہ محبوب سمجھے گا۔ اور دوسرا موازنہ دوام اور بقاء ہونے کا موازنہ ہے۔ اگر کسی عاقل کو کہا جائے کہ تم اگر چاہو تو میں تم کو ایک من پتھر چند دن کے لئے دوں گا۔ اور پھر واپس لوں گا اور اگر چاہو تو ایک من سونا ہمیشہ کے لئے دوں گا تو یقینی بات ہے کہ چند روز کے لئے پتھر حاصل کرنے کی نسبت دائمی طور پر ایک من

سونا کا مالک بن جائے کو زیادہ محبوب جانے گا۔ اس لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کا رخ دنیا سے آخرت کی محبوبات کی طرف پھیر کر انسان کے اس حرص دنیا و لالچ کا خاتمہ کیا جس سے انسان کی معاشی حالت پر ضرب پڑتی تھی۔

۲۔ دوسری طرف اسلام نے یہ ہدایت دی کہ انسان کے تمام مفاسد کی جڑ حب دنیا ہے ظلم اور دوسرے انسانوں کی حق تلفی، چوری، ڈاکہ، سود، رشوت، خیانت بے اصولی ان سب کا اصل سبب حب دنیا ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

حبّ الدنیا راس کل خطیئة

قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

امّا من طغیٰ واٰثر الحیٰوة الدنیا فانّ الجحیم ھی الماوٰی۔

جس نے ظلم اور سرکشی اختیار کی اور دوسروں کا حق مارا اور آخرت کی پائیدار اور محبوب زندگی پر دنیائے فانی کی حقیر زندگی کو ترجیح دی۔ تو اس نے جہنم اور دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنایا۔

الغرض ان ہدایات نے معاشی لوٹ کو ختم کیا۔ اور انسانی محبت مال کو اپنے دائرے کے اندر رکھا۔

۳۔ حب مال جو انسانی معاشرہ کے لئے منبع فساد ہے۔ اس کے ازالہ کے لئے عملی مشق کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے اسلام نے ایسے عملی قوانین عطا کئے کہ انسانی حرص اور حب مال اس کی عملی مشق کی وجہ سے مغلوب ہو اور اس میں بنی نوع انسان پر مال صرف کرنے کی عادت پختہ ہو جائے۔ اس کیلئے قانون زکوٰۃ کے تحت اموال تجارت میں نصاب اور سال گزر جانے کی شرط کے تحت اڑھائی فی صد محتاج طبقہ پر صرف کرنا لازم قرار دیا۔ اسی طرح زمینی پیداوار میں اگر آب پاشی آسان ہو تو اس کا دسواں حصہ اور اگر مشکل ہو تو بیسواں حصہ محتاجین کا لازمی حق قرار دیا گیا۔ اسی طرح مخصوص جرائم کے کفارہ کے لئے قانون نافذ کیا کہ اگر روزہ توڑے یا بیوی کو یہ کہہ دے کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے ماں کی پشت تو ساٹھ محتاجوں کو دو وقت کا کھانا یا کپڑے دینے پڑیں گے۔ اسی طرح اگر قسم توڑ دے تو اس کے کفارہ میں دس محتاجوں کو کھانا یا کپڑے دینا واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اسلام نے صدقات نفلی کی ترغیب دی بلکہ اس میں اس حد تک ہدایت دی کہ جو کچھ ضرورت سے زائد ہو اس کو محتاجوں پر تقسیم کرو۔

ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔

آپ سے سوال کرتے ہیں کہ محتاجوں پر کس قدر خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جس قدر مال ضرورت سے زائد ہو۔

انسان کا کائناتی پہلو

انسان کو اس لحاظ سے بھی دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کل کائنات کا ایک اہم جزو ہے۔ جزو ہونے کے لحاظ سے بھی اس کے فرائض ہیں۔ وہ یہ کہ وہ کائنات کے لئے موجب تعمیر ہو نہ موجب تخریب انسان دور حاضر کائنات کے لئے تخریب کا سبب ہے۔ اگرچہ اس نے تعمیر کائنات میں بھی حصہ لیا اور لے رہا ہے لیکن اس کی تخریب تعمیر پر غالب ہے۔ بالخصوص اس ایٹمی دور میں جب کہ انسان جدید نے نہ صرف ہلاک انسان بلکہ ہلاک نباتات و عمارات، فساد آب و ہوا کے لئے وہ خطرناک سامان تیار کئے کہ صرف ایک میزائل تین کروڑ انسانوں کی تباہی کے لئے کافی ہے اور ایک جراثیمی بم جو تین چھٹانک وزن کا ہے برطانوی سائنسدانوں کی تحقیق کے مطابق تمام کرہ ارض کی تباہی کیلئے کافی ہے جس سے جاندار، بر و بحر، ہوا اور زمین کی قوت نامیہ سب تباہ ہو جائیں گے۔ یہ وہ حکمت تخریب ہے

ہم حکمت اوپرستاں مرگ ۔ کش گرد اندیشہ پیکار مرگ

غیر سائنسی دور کے ہزاروں سالوں کی کائناتی تباہی سے دور سائنس کی ایک گھنٹہ کی تباہی زیادہ ہے۔ اس تباہی کا لازمی نتیجہ معاشی انحطاط ہے بلکہ اس سے ذرائع معاش اور ان ذرائع سے کام لینے والے انسان سب تباہ ہو جائیں گے۔ ورنہ زمین کاشت کے قابل نہ رہے گی اور پانی میں جراثیم پھیل کر انسانی معیشت اور زندگی کا خاتمہ ہوگا اور جو چیزیں انسان کے مدار حیات ہیں۔ وہ خاکستر کا ڈھیر بن جائیں گی ۔

ترقی مستقل وہ ہے جو رو حانی ہو اس لیے کہ

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوة انکاثا ،

اور اُس عورت کی طرح مت ہو جو اپنی محنت سے مضبوط کاتے ہوئے سوت کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرتی تھی۔

اگر وہ جو دہ عنصر وہ پھر سوتے زمین آگا

انسان کا الٰہی پہلو

انسان کلیۃً آزاد نہیں، وہ کائنات کے حاکم اعلیٰ کے ماتحت ہے اس کے ہاتھ میں جس قدر معاشی اور غیر معاشی نعمتیں ہیں وہ

اسی حاکمِ اعلیٰ کی امانت ہے اور اسی کے حکم کے تحت حاصل کی جائیں گی اور اسی کے حکم کے ماتحت صرف ہوں گی۔ اسی لئے اس نے اکتسابِ مال پر پابندی لگادی ہے تاکہ سرمایہ دارانہ مفاسد پیدا نہ ہوں۔ وہ یہ ہے کہ مال حلال ذریعہ سے حاصل کیا جائے۔ نہ حرام ذریعہ سے۔ تاکہ سرمایہ دارانہ طغیان اور سرکشی پیدا نہ ہو۔ اسی لئے اس نے

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ — یعنی تم ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔

کہہ کر باطل کمائی کے تمام دروازے بند کئے، خواہ استحصال ہو یا جبر ہو، رشوت وسود ہو، ظلم خیانت چوری ہو۔ یہ قانونِ اسلامی کا انقلابی تحدید ہے۔ مجموعہ دولت چونکہ مجموعہ افراد انسانی کا ذریعہ معاش ہے۔ اگر ایک انسانی طبقہ ناجائز ذرائع سے مال بڑھائے گا تو دوسرے طبقہ میں اسی تناسب سے مال کی کمی پیدا ہوگی۔ کیونکہ ناجائز ذرائع کا استعمال دو انسانوں کے درمیان ہے۔ انسان اور غیر انسان کے درمیان نہیں۔ جب ایک طبقہ کے پاس ناجائز دروازے سے مال آئے گا۔ تو جس انسان کے ساتھ اس نے ناجائز معاملہ کیا ہے اس کے پاس مال کی کمی پیدا ہوگی اور توازنِ معاشی بگڑ جائے گا۔

انفاقی تحدید — اسلام نے دوسری تحدید اور پابندی مال خرچ کرنے پر لگائی کہ وہ ناجائز کاموں میں صرف نہ ہو، جو تبذیر ہے، اور نہ بے ضرورت خرچ ہو، جو اسراف ہے۔ بلکہ خرچ میں اعتدال قائم رکھا جائے۔

ولا تبذر تبذیرا۔ ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطن لربہ کفورا۔ — تم ناجائز کاموں میں مال صرف نہ کرو کہ ایسے لوگ شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان خدا کی نعمت کا ناشکر گزار ہے۔

دیکھئے قرآن نے اس جرم کے لئے کس قدر سخت لفظ استعمال کیا۔

ولا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا۔ — تم خرچ کے وقت نہ ہاتھوں کو گردن کے ساتھ باندھے رکھو کہ ضرورت پر بھی خرچ نہ کرو۔ اور نہ بہت پھیلا کر رکھو کہ غیر ضروری اشیاء پر خرچ کرنے لگ جاؤ۔

پہلی صورت میں بخل کا الزام لگ کر رسوا اور ملامت زدہ ہو جاؤ گے۔ اور دوسری

صورت میں خود غریب اور درماندہ ہو جاؤ گے۔ حدیث میں آیا۔

الاقتصاد نصف المعیشۃ — خرچ میں میانہ روی آدھی معیشت کو درست کرتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔

البذاذۃ من الایمان — سادہ زندگی ایمان کی علامت ہے

خود حضور علیہ السلام خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور مقبولِ بارگاہِ الٰہی نے سادہ زندگی گذاری۔ ان ہدایات کی حکمت یہ ہے کہ جب مال ناجائز محل میں یا بے جا صرف ہوگا۔ تو بچت نہ ہوگی اور وہ محتاج طبقہ پر کچھ صرف نہ کرسکے گا۔ اگر صرف بے جا کی وجہ سے مال ہی نہ رہا تو غریب طبقہ کی خبر گیری کیسے کرسکے گا اور محتاجوں پر خرچ کرنے کے لئے اس کا ہاتھ خالی ہوگا۔ اسلام چاہتا ہے کہ دولت کا رخ بے جا محل سے موڑ کر کارِ خیر، فقراء اور اشاعتِ دین کے کاموں کی طرف متوجہ کرے۔ اور یہی چیزیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے معاشی حالت میں بھی توازن پیدا ہوگا اور نیکی بھی پھیلے گی جس سے دنیا بھی سدھرے گی۔ اور آخرت بھی۔ اوپر کے صرف بے جا کی تفصیل گذر چکی ہے۔ جو عدمِ توازنِ معاشی کا اصل سبب ہے۔

تقسیم دولت — اسلام نے ایسے قوانین عطا کئے۔ جس سے زندگی میں بھی دولت زیادہ سے زیادہ حرکت کرے اور مرنے کے بعد بھی۔ زندگی میں قانون خمس، قانونِ زکوٰۃ، قانونِ عشر و نصف عشر و ربع عشر، قانونِ کفارات، قانونِ صدقۃ الفطر، قانونِ نذور، اطعامِ سائل و محروم اور اعطاء ما زاد عن الضرورت ایسے قوانین ہیں، جن سے دولت تقسیم ہو کر متحرک ہو جاتی ہے اور معاشی سطح متوازن ہو جاتی ہے۔ ادیانِ عالم اور قوانینِ انسانیہ میں ایسے مکمل نظام کی نظیر موجود نہیں۔

انسان جب مرجاتا ہے تو یورپ کے قانون میں اکبر اولاد یعنی سب سے بڑا بیٹا یا بیٹی وارث ہو جاتے ہیں۔ گویا ایک سانپ خزانے سے ہٹا اور ایک دوسرا اس کی جگہ بیٹھ گیا۔ باقی رشتہ داروں کو صرف گذارہ دیا جاتا ہے۔ ہندو اور منو دھرم شاستر میں صرف لڑکے وارث ہیں۔ لڑکیاں وارث نہیں۔ لیکن اسلام نے وراثتی تقسیم کا مکمل نظام مقرر کیا کہ اس میں کل اولاد ذکور و اناث بیویاں والدین، بھائی بہنیں اور چچے بھتیجے سب حسبِ ترتیب مقرر حقدار ہو جاتے ہیں۔ جن کی تین قسمیں ہیں۔ ذوالفروض، عصبات، ذوالارحام وغیرہ۔ میں نے اپنی اردو تصنیف شرعی ضابطہ

دیوانی میں اس کو مفصل لکھا ہے ۔ اگر مذکورہ ورثاء موجود نہ ہوں تو پھر میت کا کل ترکہ بیت المال میں رکھ کر تمام مسلمانوں کا حق بن جاتا ہے ۔ یہ مختصر خاکہ ہے جو ہم نے اسلامی معاشی نظام کے سلسلے میں پیش کیا ۔

یورپ اور امریکہ نے آخرت اور دین کو تو چھوڑا صرف روٹی کی تقسیم کا مسئلہ ہاتھ میں لیا لیکن اس تقسیم کا جو نتیجہ ہے ، وہ ہم نے اس مقابلے میں نقل کیا ہے کہ اقوام متحدہ کی سماجی رپورٹ ہے کہ انسانوں کی نصف آبادی بھوکی اور امراض میں مبتلا ہے ۔ قرآن نے اعلان کیا کہ :-

نحن قسمنا بينهم معيشتهم — روٹی کی تقسیم ہم نے کی ہے

جس کی تفصیل ہم نے ابھی بیان کی اسی لئے اسلام کے نظام معاشی کے دور میں نووی نے شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ عمر بن عبد العزیز مال لے کے لوگوں کو بلاتے تھے لیکن کوئی نہ آیا ـــــ تقسیم رزق کا کام تھا اللہ کا ، جب انسان ناقص نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا تو نصف دنیا بھوکی ہو گئی اور یہ یقینی بات ہے کہ جو کام کمشنر یا گورنر کے کرنے کا ہو اس کو کوئی چپراسی ہرگز انجام نہیں دے سکتا تو پھر تقسیم رزق جو خدا کا کام ہے اس کو ضعیف انسان جو خدا سے بدرجہا کم حیثیت رکھتا ہے ، کیسے انجام دے سکے گا ۔ یورپ نے جب تقسیم رزق کا مسئلہ ہاتھ میں لیا تو لوگوں کو امید تھی کہ اب روٹی کی فراوانی ہوگی ، لیکن ہوا کیا ۔ بقول اکبر

تھے فکر میں ایک کے سو روٹی بھی گئی — چاہی تھی بڑی چیز سو چھوٹی بھی گئی
اپنی تو ہوئی وہی مثل اے اکبر — پتلون کے فکر میں لنگوٹی بھی گئی

اسلام کا معاشی نظام مملکت اسلامی کے تمام محتاج افراد کی ضروریات زندگی کا ذمہ دار ہے

قرآن کا ارشاد ہے :-

وما من دابة في الارض الا على الله رزقها — زمین کے ہر جاندار کو ضروریات حیات فراہم کرنا اللہ کے ذمہ ہے ۔

ان الله هو الرزاق ذو القوة المتين — اللہ سب کو روزی فراہم کرنے والا ہے اور مضبوط طاقت والا ہے ۔

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے منشا کا اعلان فرما دیا اب جو فرد یا جماعت اسلامی مملکت کا حکمران ہو اسلامی اصطلاح میں اس کا نام خلیفہ ہے :-

وعد الله الذين امنوا منكم وعملوا — اس بات کے ایماندار اور نیکوکاروں کے ساتھ

الصالحات ليستخلفنهم في الارض — اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ انکو اپنی خلافت عطا فرمائیں گے ۔

ثم جعلناكم خلفاء في الارض من بعدهم لننظر كيف تعملون (سورہ یونس) — ہم نے تم کو زمین میں اپنا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں تم اپنے فرائض کس طرح پورا کرتے ہو ۔

پھر ظاہر ہے کہ جو کوئی صدر مملکت یا بادشاہ یا گورنر کا جانشین ہو گا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جانشینی کے فرائض کے تحت اس حاکم اعلیٰ کے منشا کی تکمیل کرے جس کا وہ جانشین ہے ورنہ جانشین کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ مجرم ہے اس بناء پر اسلامی حکمران کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مذکورہ منشاء الٰہی کو پورا کرے اور تمام محتاج افراد رعیت کی ضروریات زندگی کا انتظام کرے ۔ خواہ روزگار مہیا کرے یا سرکاری خزانے سے اسکو اس کا حق دلائے اس کی دلیل ۔

روزگار مہیا کرنے کے متعلق ابن ماجہ مطبوعہ فاروقی صفحہ ۵۹ بیع المزایدہ انس بن مالک کی حدیث ہے کہ ایک محتاج انصاری نے حضور سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا تمہارے گھر میں کچھ ہے اس نے کہا ایک ٹاٹ ہے کہ ایک حصہ بچھاتے ہیں اور ایک اوڑھتے ہیں اور ایک پیالہ ہے حضور نے فرمایا اسے لاؤ لایا گیا آپ نے اس کا نیلام کیا ایک شخص نے ایک روپے کی بولی دی حضور نے فرمایا کون اس پر بڑھاتا ہے ۔ دوسرے آدمی نے دو روپے پر لینے کو کہا اس کو دیا گیا حضور نے ایک روپیہ انصاری کو دیا کہ اس سے طعام خرید اور دوسرے روپے پر کلہاڑا ۔ اس نے ایسا کیا ۔ کلہاڑے میں دستہ لکڑی کا حضور نے اپنے دست مبارک سے ڈالدیا اور فرمایا کہ جنگل سے لکڑی لاکر بیچا کرو اور پندرہ دن مجھ سے نہ ملو جب وہ دن پورے ہوئے تو اس نے لکڑیوں کی خرید و فروخت سے دس روپے کمائے حضور نے فرمایا کہ اس سے طعام اور کپڑے خرید لو یہ سوال سے بہتر ہے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے بحیثیت حکمران مملکت اس کے لئے روزگار کا انتظام بڑے اہتمام سے فرمایا ہر وقت کا روزگار ، اور ہر ملک اور شخص کا روزگار مختلف ہوتا ہے ۔ اس وقت ایسے شخص کیلئے یہی انتظام ممکن ہو سکا ۔ جس سے ایک ضابطہ حاصل ہوا کہ اس عمل نبوی کے تحت امیر مملکت کے فرائض میں یہ امر داخل ہے کہ وہ بے روزگار افراد کیلئے مناسب وقت روزگار مہیا کرے ۔

ذمہ داری ضروریات حیات

اسلامی مملکت کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ محتاج افراد مملکت کی معاشی ضروریات مہیا کریں خواہ مسلم اہل یا غیر مسلم ۔ کتاب الخراج ابو

یوسف فصل کنائس والبیع والصلبان ص۱۴۴ میں فاروق اعظم کا فرمان ہے:-

وجعلت لهم ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابته آفة من الآفات او کان غنیا فافتقر وصار اهل دینه یتصدقون علیه طرحت جزیته وعیل من بیت مال المسلمین وعیاله ما اقام بدار الهجرة ودار الاسلام فان خرجوا الی غیر دار الهجرة ودار الاسلام فلیس علی المسلمین نفقة علی عیالهم

یعنی میں نے غیر مسلم افراد رعیت کیلئے یہ مقرر کیا ہے کہ جو بوڑھا کام کرنے کے قابل نہ ہو یا اس کو حادثہ پیش آئے یا پہلے دولتمند ہو پھر محتاج ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب لوگ اسکو خیرات دینے لگیں تو اس سے جزیہ ساقط ہوگا۔ اور خود اسکو اور اس کے عیال کو سرکاری خزانے سے اخراجات ادا کئے جائیں جبتک کہ اسلامی مملکت میں سکونت پذیر ہوں اگر اسلامی مملکت سے نقل مکانی کرلیں تو مسلمانوں کے بیت المال اور سرکاری خزانہ کے ذمہ اسکا خرچ نہیں

اس فرمان سے جس پر تمام اسلامی مملکت میں عمل تھا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر مسلم رعیت کے محتاج فرد کے اخراجات جب سرکاری خزانے سے ادا کئے جاتے ہیں تو مسلم محتاج افراد کے اخراجات تو ضرور ہے کہ حکومت کے ذمے ہوں اور یہ وہی منشاء الٰہی رزق رسانی کا ہے جس کا پورا کرنا اسلامی مملکت کے ذمے ضروری ہے۔

غیر شرعی جاگیریں چھینی جاسکتی ہیں

مثلاً اگر کسی کو ملت اسلامی سے غداری اور غیر مسلم حکومت کے خلاف اسلامی خدمات کے سلسلے میں جاگیریں عطا ہوئی ہوں تو اسلامی حکومت چھیننے کی مجاز ہے۔ کتاب الخراج ص۶۵ میں ہے

وَلَیْسَ لِلْاِمَامِ اَنْ یُّخْرِجَ شَیْئاً مِنْ یَدِ اَحَدٍ اِلَّا بِحَقٍّ ثَابِتٍ مَعْرُوْفٍ

امیر مملکت کو کسی مالک سے اسکی زمین چھیننے کا اختیار نہیں مگر اس صورت میں کہ حق اس کے خلاف ہو۔

جائز جاگیریں بھی چھینی جاسکتی ہیں اگر عام مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہو ابن ماجہ مطبوعہ فاروقی ص۸۰ میں ابیض بن حمال سے روایت ہے کہ اس نے حضور سے نمک کا کان بطور جاگیر طلب کیا حضور نے دیدیا اقرع بن حابس نے عرض کیا کہ میں نے اس کان کو قبل از اسلام زمانے میں دیکھا وہ تو جاری پانی کی طرح فائدہ مند ہے اور جو پہنچے وہ اس سے بے تکلف نمک حاصل کرسکتا ہے۔ حضور نے اس صاحب جاگیر کی واپسی کے متعلق فرمایا اس نے دیدیا مگر یہ شرط

لگائی کہ کسی خاص واحد شخص کو نہ دی جائے وقف اہل اسلام ہو۔ حضور نے یہ شرط منظور کی۔ زجاجۃ شرح ابن ماجہ میں ہے کہ یہ بھی مکارم اخلاق تھا ورنہ اس سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی

زائد از ضرورت زمین رکھنے والے کو بطور رضاکارانہ حکم کہ وہ زائد زمین بے زمین مسلمان کو دیدے

مَنْ کَانَتْ لَهٗ اَرْضٌ فَلْیَزْرَعْهَا اَوْ لِیَمْنَحْهَا اَخَاهُ فَاِنْ اَبٰی فَلْیُمْسِکْ اَرْضَهٗ۔ متفق علیہ۔ رواہ جابر۔ مشکوٰۃ باب المساقاۃ والمزارعۃ۔ ص ۲۵۷ مطبع مجیدی کانپور۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے حکم دیا کہ جس کے پاس زمین ہو تو یا خود کاشت کرے اور یا اگر ضرورت سے زائد ہے تو بے زمین مسلمان بھائی کو دیدے۔ یہ ایک رضاکارانہ اخلاقی قانون ہے جس میں زمین دینے والے کا تو ایک یہ فائدہ ہے کہ قیامت تک اسکو اس کا اجر و ثواب ملتا رہے گا اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس احسان سے وہ بے زمین شخص جسکو اس نے زمین دی تا زیست وہ اور اسکی اولاد ممنون منت رہیگی اور اخوت اسلامی کا استحکام ہوگا بلکہ جبر چھیننے میں جس کو چھینا چونکہ اسکو دینے کی نیت نہ تھی اس لئے اجر صدقہ سے محروم رہا اور جسکو دیگئی تو لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسہ کے تحت وہ رزق حلال سے محروم ہوا اور چونکہ اس میں ایک فریق ظالم بنا ایک مظلوم تو عداوت بھی بڑھ گئی

مغربی افکار اور تہذیب کا نو آزاد اسلامی ممالک میں فاتحانہ داخلہ

ترکی

مغربی تہذیب اور افکار کے فاتحانہ داخلے کا آغاز ترکی سے ہوا۔ اور کمال اتاترک اور ان کے رفقاء نے اس کو پروان چڑھایا جس کی وجہ سے ترکی، صورت و سیرت عورتوں کی آزادی طریق لباس وخوراک افکار و تصورات میں یورپین بن گئے اور تقریباً اپنے ماضی کی ثقافت اور تاریخ اور علمی ذخیروں سے جو عربی رسم الخط میں تھے بالکل کٹ گئے اس کے بعد مصر کی نوبت آئی۔

مصر مصر مشرق و مغرب کی تعلیمات اور ثقافت کا نقطۂ اتصال ہے۔ وہ اپنی خصوصیات اور جامع ازہر اور وسیع ذرائع نشر و اشاعت کی وجہ سے واحد اسلامی ملک ہے۔ جو ظاہری نہر سویز جو مشرق و مغرب کا ظاہری نقطۂ اتصال تھا، کا مالک ہے۔ وہ ایک دوسری تعلیمی اور فکری نہر سویز بنانے کے قابل تھا جس کی ضرورت مشرق اور مغرب کو ظاہری نہر سویز سے بہت زیادہ تھی۔ اور دونوں میں اسی باطنی نہر سویز سے توازن قائم ہو سکتا تھا اور ظاہری نہر سویز کے ذریعہ تبادلۂ اموال سے زیادہ باطنی نہر سویز کے ذریعہ تبادلۂ علوم کی ضرورت زیادہ تھی۔ یہ باطنی نہر سویز مشرق کو جو طبعی و صنعتی علوم میں پسماندہ ہے اس مغرب سے جو ترقی یافتہ ہونے کے باوجود سرگشتہ و حیران، اور اخلاق و روحانیت میں تہی دامن اور مایوس اور بدگمانی اور خودکشی کی راہ پر گامزن ہے، ہمکنار کرتی ہے اور تمام اسلامی ممالک کے لئے ایک ایسا نمونہ قائم کرتی کہ ایک طرف مسلمان ممالک طبعی و صنعتی علوم میں یورپی ممالک کے ہمسر ہونے اور دوسری طرف ایمان و یقین کے جذبات سے اور پاکیزہ کردار سے آراستہ ہونے لیکن یورپ کے ملحدانہ تعلیم کی کشش نرد سے بچ کر نکلنا آسان کام نہ تھا۔ اس کے لئے ابراہیمی یقین کی ضرورت تھی۔ تعجب ہے کہ عرب جو ایمانی یقین اور تہذیب کا مرکز ہے اور عجم جو اس مرکز سے دور ہے پھر بھی عجم نے جمال الدین افغانی اقبال اور محمد علی جوہر کو پیدا کیا۔ لیکن عرب میں کوئی ناقد پیدا نہ ہوا۔ بلکہ جتنے عرب افراد مغرب کی تعلیم گاہوں سے نکلے، وہ مغرب کے ایک شاگرد اور مقلد اور خوشہ چیں اور احساس کمتری میں ڈوبے ہوئے نکلے۔ لہٰذا نہر سویز علمی کی امید ان سے پوری نہ ہو سکی لیکن مغربی تہذیب اور افکار کے آگے مسلمانوں نے اپنی شکست تسلیم کی جس کی تصدیق ڈاکٹر طٰہٰ حسین جو مصر جدید کی ذہنیت کا ترجمان اور سرکاری اخبار الاہرام کا ایڈیٹر ہے اپنی کتاب مستقبل الثقافۃ فی مصر ص۳۲ پر لکھتے ہیں:

"ہماری معنوی زندگی اپنے مظاہر کے اختلاف کے ساتھ خالص مغربی ہے ہمارا نظام حکومت خالص مغربی ہے۔ ہم نے اس کو یورپ سے بغیر کسی تردد کے جوں کا توں منتقل کیا اگر ہم اپنے کو کچھ ملامت کر سکتے ہیں تو صرف یہ کہ ہم نے اہل یورپ سے ان نظاموں اور سیاسی زندگی کی شکلوں کو منتقل کرنے میں سستی اور تاخیر سے کام لیا۔"

ص۳۱ پر لکھتے ہیں:

"ایک مصری کی دنیاوی اور مادی زندگی کے لئے اعلیٰ نمونہ (آئیڈیل) وہی ہے جو ایک مغربی کی مادی زندگی کا ہے:"

ص۴۱ پر لکھتے ہیں:

"ہمیں اہل یورپ کے طریقے پر چلنا چاہئے اور ان کی سیرت و عادات اختیار کرنا چاہئے تاکہ ہم ان کے برابر ہو سکیں اور تہذیب کے خیر و شر تلخ و شیریں پسندیدہ و ناپسندیدہ ہر چیز میں ان کے رفیق کار اور شریک حال ہو سکیں۔"

یہ اس طٰہٰ حسین کا حال ہے جو اس وقت حکومت مصر کی زبان ہے اور ۱۹۴۹ء میں وزیر تعلیم مصر رہ چکے ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے، بچپن میں بصارت سے محروم ہو گئے۔ مکتب میں قرآن حفظ کیا۔ اس کے بعد جامعہ مصریہ میں تعلیم مکمل کی۔ پیرس سے ڈاکٹریٹ کیا۔ بیوی ان کی فرانسیسی ہے۔ ناصر المیثاق الوطنی باب اول نظرۃ عامۃ میں لکھتے ہیں:

"ایسی سوسائٹی جو حریت، سوشلزم اور اتحاد کو زندگی کی اساس اور جد و جہد کے اعلیٰ مقاصد متعین کرتی ہو۔ اور قومی منشور کے باب ۳ میں لکھتے ہیں کہ مصری جد و جہد کی جڑوں کو فرعونی تاریخ میں تلاش کرے جو مصری اور انسانی تہذیب کے اولین بانی ہے۔ اس مصری انقلاب کا عالم عربی پر جو اثر ہوا وہ یہ ہے۔

شام و عراق یہ دونوں ملک اسلامی علوم اور ثقافت کے مرکز رہے ہیں۔ شام میں مسلمانوں کی آبادی نوے فی صد اور عراق میں ترانوے فی صد ہے۔ شام میں اس وقت البعث پارٹی کی حکومت جس کا بانی ایک عیسائی میشیل عفلق ہے۔ یہ پارٹی اپنے منشور ۶۳ میں لکھتی ہے عرب البعث ایک اشتراکی جماعت ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ اشتراکیت جو عرب قومیت کے باطن سے پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ بہترین نظام ہے جو عرب کی صلاحیتوں کا ساماں ہے۔ فقط دونوں ملکوں میں عورتوں کی بے پردگی، مرد عورتوں کا اختلاط مخلوط تعلیم کا عام رواج ہے۔ مذہب بیزار اور لادین عناصر زندگی پر حاوی ہیں۔ دونوں حکومتیں عرب نیشنلزم اور سیکولرازم ہیں۔

ایران رضا شاہ نے ملک کو تعلیمی اور معاشرتی میدانوں میں عصر جدید کے مطابق اور ماڈرن بنانے کی کوشش کی۔ ۱۹۲۶ء میں انہوں نے فرانس کا عدالتی نظام اور قانون نافذ کیا۔ ۱۹۳۵ء میں برقعہ ممنوع قرار پایا۔ اسی سال ادبی مجلس قائم ہوئی جس میں فارسی زبان کو عربی الفاظ سے پاک کیا گیا اور زمینداری کی تنسیخ اور مالکان اراضی کے حقوق ملکیت ختم کی گئی اسلام اور

مغربیت کی کشمکش ص۱۳۶" البتہ یہ تصریح کی گئی ہے کہ ایران کا سرکاری مذہب اسلام ہے اور پارلیمنٹ کو ایسے قانون بنانے کا اختیار نہیں جو اسلام کے اصول کے خلاف ہو۔

انڈونیشیا انڈونیشیا کی ۹۰ فیصد آبادی مسلمان ہے۔ اس نے ۱۹۴۵ء اور ۱۹۵۰ء کے دستور میں اعلان کیا کہ ہر ریاست کی بنیاد خدا کا یقین ہے اور صدر جمہوریہ سے لیکر ایک ادنیٰ سرکاری ملازم کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں۔ سرکاری ملازم کے لئے ضروری ہے کہ وہ وفاداری کے لئے خدا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی قسم کھائے۔ امریکی مبصر راق فر نے اس میں حضور کے نام کو غلط پیش کیا کہ غیر اللہ کے نام پر اسلام میں قسم جائز نہیں۔ غیر اسلامی اور غیر مذہبی حکومت کی اکثر آبادی نے مخالفت کی لیکن ارباب اقتدار تہذیب مغربی کے دلدادہ تھے اور وہی زندگی پر حاوی تھے۔ اس لئے مذہبی انقلاب نہ آسکا۔

تیونس تیونس ۱۹۵۶ء میں آزاد ہوا۔ آزادی کے ساتھ صدر حبیب بورقیبہ نے ترکی کے نقش قدم پر چلکر فرانسیسی ثقافت میں ملک کو ڈھالنا شروع کیا۔ تعدد ازدواج کی آزادی کو مقید کیا، شوہر کے طلاق دینے پر پابندی لگادی، عورتوں کو مجلس قانون سازی میں ممبر بننے اور ملازمتوں میں حصہ لینے کی آزادی مل گئی۔ اس وقت سو خواتین محکمہ تعلیم میں، ڈیڑھ ہزار دفاتر میں اور سات ہزار مختلف منصوبوں میں ملازم ہیں۔ صدر بورقیبہ سمجھتے ہیں کہ میری اصلاحات اگرچہ قرآن مجید کی نصوص کی پابند نہیں لیکن وہ ان کی روح کی منافی بھی نہیں۔ جس طرح مصر نے جامعہ ازہر کو باقی رکھا اسی طرح تیونس نے جامعہ زیتونیہ باقی رکھی۔ پروفیسر شاخت ایک جدید مقالہ جدید اسلامی قانون کے مسائل میں تیونس کے متعلق لکھتے ہیں۔ آخرکار تیونس نے پہلے اوقاف ختم کئے جیسے شام اور مصر نے ختم کئے تھے۔ پھر محاکم شرعیہ کے اختیارات کو سلب کیا گیا جیسے مصر نے کیا تھا اور ایک نیا قانون بنام مجلۃ الاحکام الشخصیہ نافذ کیا۔ قانون وراثت اسلامی کو باقی رکھا اور نکاح وطلاق کے قوانین کو ایسا بدلا کہ ان کی شکل بھی اب نہیں پہچانی جاتی یہ اسلامی قانون سے اتنا مختلف ہے جتنا ترکی کا سیکولر سول کوڈ۔ دیوانی قانون (اسلام اور مغربیت کی کشمکش ص۱۲۶)

الجزائر الجزائر نے آزادی کے حصول کے لئے دس لاکھ جانوں کی قربانی دی لیکن آزادی کے بعد اس نے مغربی تہذیب اور روسی سوشلزم کو اپنایا اور وطنی قومیت پر اپنے نظام حیات کی بنیاد رکھی۔ یہ ہے مغربی تہذیب اور افکار کا نفوذ اسلامی ممالک میں

فاتحانہ داخلہ۔ یہ عجیب سانحہ ہے کہ جب کسی اسلامی ملک میں بیرونی اقتدار کے خلاف آزادی کی جنگ جاری ہوتی ہے تو سارے مسلمان لیڈر مذہب کی زبان کے سوا کسی زبان سے آشنا نہیں ہوتے اور ان ہی نعروں سے جنگ آزادی کے سپاہیوں میں ایمانی قوت بھرتے ہیں لیکن جب جنگ آزادی ختم ہوکر ملک آزاد ہوتا ہے تو دوسری جنگ خود اسلام کے خلاف عوام کی اس آتش ایمانی تیز ایمانی قوت کو مغربی الحاد و تہذیب کے ذریعہ فنا کردینے کے لئے شروع ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے نو آزاد ممالک کی حکومت میں استحکام نہیں ہوتا اور وقتاً فوقتاً انقلاب برپا ہوتے رہتے ہیں۔ جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ آجاتا ہے جو اللہ و رسول اور اسلام سے زیادہ مغرب پر یقین رکھتے ہیں اور آزادی کا بڑا مقصد ان کے نزدیک یہ ہوتا ہے کہ اسلامی معاشرہ اور اسلام کے آثار جن کی برکت وا ثر سے جنگ آزادی فتح ہوئی جلد از جلد مٹا کر اس کی جگہ مغربی معاشرہ اور مغربی طرز فکر کو نافذ کیا جائے۔

علاج اسلام اور مغربیت کی اس کشمکش کے لئے ایسے مردان کار پیدا کرنے کا انتظار ہوگا کہ وہ مغرب کے طبعی و سائنٹفک فنون کی قوت ایسا اپنائے کہ اسلامی ملک مغرب سے ان فنون میں بڑھ جائے۔ دوسری طرف اس مادی قوت کے ساتھ ساتھ اپنی روحانی قوت میں اسلامی عقائد، اسلامی اخلاق اور اسلامی اعمال کے ذریعہ ایسا اضافہ کرلے کہ عوام اسلامی نصب العین اور مقصدیت کے لئے اپنی جانوں کو قربان کردینے میں اپنی حیات سمجھیں بلکہ اس مقصد کے لئے ان کو موت، حیات سے زیادہ محبوب ہو۔ تاکہ ہمیشہ کے لئے فکری اور عملی وحدت کی وجہ سے ملت کی تنظیم قائم ہو اور اجنبی افکار ان میں نہ انتشار پیدا کرسکیں اور نہ ایمانی کمزوری۔ کاش کہ مغربی بت خانوں سے چند ناقد اور صاحب علوم اور اسرار حیات سے آگاہ افراد پیدا ہوکر یہ کام انجام دے۔ یہ مرج البحرین جو دین فطرت اور قوت مغرب دونوں کا مجموعہ ہوگا۔ اس سے مشرق و مغرب دونوں کو نجات نصیب ہوگی اور دنیا مغرب کے پیدا کردہ خونیں معرکوں اور اس کی تہذیب کی اخلاقی جذام سے چھٹکارا پائیگی۔

اقبال مرحوم نے تہذیب جدید کے متعلق فرمایا ہے۔

تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

مغربی تہذیب اور اسلامی ممالک

یہ ایک بڑا اہم سوال ہے کہ

مغربی تہذیب کو اسلامی ممالک میں نمایاں کامیابی کیونکر حاصل ہوئی، جس سے اسلام جیسے دینِ فطرت کا چودہ سو سالہ ورثہ درہم برہم ہوگیا۔ اس کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اسلامی ثقافت اور تہذیب کو اپنی پوری تاریخ میں صرف تین معرکے پیش آئے۔ جو بنیادی ہیں۔

اسلام کی ایرانی اور رومی تہذیب سے ٹکر

پہلا معرکہ اسلام کی پہلی صدی ہجری میں دنیا کی دو عظیم الشان تہذیبوں' ایرانی اور رومی سے ٹکر لینے کا معرکہ تھا۔ جس میں اسلامی تہذیب مشرق و مغرب کی دو عظیم قوتوں اور تہذیبوں سے نبرد آزما ہوئی۔ یعنی ایرانی تہذیب اور رومی تہذیب سے۔ جہاں تک مادی اسباب کا تعلق ہے۔ مذکورہ ہر دو قومیں ہر قسم کے سامان سے لیس تھیں، لیکن اُن کے افکار و نظریات اور تہذیبی زندگی میں جان نہ تھی۔ اسلام نے اپنے فرزندوں کو افکار و عقائد و اعمال کا وہ استحکام بخشا تھا۔ جس کا جواب اُن کی حریف قوتوں کے پاس نہ تھا۔ ثقافت دراصل عقائد و افکار اور سیرت و کردار کی پختگی کا نام ہے جس سے پیدا شدہ جوشِ عمل اور اولوالعزمی کے آگے کوئی قوم نہیں ٹھہر سکتی۔ نہ گانے بجانے' رقص و سرود اور عیاشانہ زندگی کو جس سے اس مذکورہ بلند اوصافِ انسانیت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اور زنانہ پن اور مشقت گریز جذبہ ابھرتا ہے۔ اس ٹکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی تہذیب نے ان دونوں تہذیبوں کو شکست دی اور ان کے مفتوحہ علاقوں کو فتح کرکے اسلامی تہذیب و ثقافت کے رنگ میں ان کو ایسا رنگ دیا کہ آج تک کسی نہ کسی صورت میں وہی اسلامی رنگ باقی ہے۔

اسلامی تہذیب کی تاتاری تہذیب سے ٹکر

دوسرا معرکہ ہلاکو اور چنگیز کا حملہ تھا۔ جس نے اسلامی ثقافت سے ٹکر لی۔ یہ دوسرا معرکہ ایسا تھا کہ اس وقت کے مسلمانوں میں اسلامی ثقافت کے عمیق اور گہرے اثرات باقی نہیں رہے تھے۔ ایک حد تک علوم تھے لیکن ایمانی قوت کمزور ہوچکی تھی۔ اسلامی اعمال فسق و فجور اور عیاشی و راحت پسندی کی وجہ سے برائے نام رہ گئے تھے۔ البتہ صرف اسلامی افکار و علوم اُن میں باقی رہ گئے تھے، جن پر ان کا یقین باقی تھا اور بالمقابل ایسی قوم تھی جو تعلیم یافتہ نہ تھی اور علوم و فنون سے خالی

تھی، کوئی فکری تہذیب نہ رکھتی تھی۔ لیکن جوشِ عمل اور اپنے نصب العین پر اس کو پختہ یقین تھا۔ جو اس وقت کے مسلمانوں میں کمزور ہوچکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ وحشی اور غیر تعلیم یافتہ قوم مسلمانوں کی تعلیم یافتہ قوم پر غالب آگئی۔ اور اس نے اسلامی حکومتوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ لیکن ایک مضبوط ثقافت کے لئے جن پختہ عقائد و افکار اور اُن سے متعلقہ علوم کی ضرورت تھی وہ تاتاریوں میں نہ تھے نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی تہذیب اور مسلمان قوم اگرچہ بظاہر مفتوح ہوئے لیکن بالآخر فاتح ہوئے۔ تاتاریوں کو جب ان فتوحات کی وجہ سے اسلامی تہذیب اور ثقافت سے روشناسی ہوئی تو اسلامی تہذیب کے اثر سے ان کے دل و دماغ میں تبدیلی رونما ہونی شروع ہوئی اور کعبہ کو دشمنوں میں سے پاسباں مل گئے۔ تیمور اور اس کی اولاد اور عثمانی ترک اسی قوم کے مختلف خاندان ہیں۔ جنہوں نے دور دراز علاقوں میں اسلام کو پھیلایا اور اسلامی عظمت قائم کی۔

مغربی تہذیب کی اسلامی تہذیب سے ٹکر

تیسرا معرکہ جو اسلام کو پیش آیا وہ مغربی ثقافت اور تہذیب کا مقابلہ ہے جو انیسویں صدی عیسوی سے شروع ہوکر آجتک جاری ہے۔ یہ اسلامی تاریخ میں سب سے شدید تر مقابلہ ہے۔ مغربی تہذیب نام ہے ان افکار و تصورات کا جن کو پوری دنیا میں اہلِ مغرب پھیلا رہے ہیں اور زندگی کے بود و ماند کے ان طریقوں کا جو ان کی عملی زندگی میں موجود ہیں۔ یہ تہذیب مختلف معیار کے اعتبار سے چاہے جس قدر بھی ناموزوں ہو لیکن اس کی پشت پر ایک عظیم سیاسی قوت ہے اور تعلیم کا ایک وسیع نظام ہے۔ تصنیفات و تحریرات کے بے شمار ذخائر ہیں۔ تصاویر اور فلمی دنیا کا ایک ہمہ گیر جال ہے۔ معاشی اور اقتصادی برتری ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جو ظاہر بین طبقہ کی نگاہ کو خیرہ کرنے والی ہیں اور اس تہذیب کے علمبرداروں نے خود مسلمانوں کے نژادوں میں ایک بڑی با اثر اور با اقتدار جماعت تیار کی ہے۔ جو اسلامی تہذیب کو فنا کرنے میں خود اہلِ مغرب سے زیادہ سرگرم عمل ہے اور یہی کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے نوآزاد ممالک میں مغربی افکار و تہذیب اور اسلامی تہذیب و افکار کے درمیان مسلسل جنگ جاری ہے۔ اور کسی اسلامی ملک کو استحکام نصیب نہیں ہوتا۔ روز نئے نئے انقلاب پیدا ہوتے رہتے ہیں اور بظاہر اس جنگ کا خاتمہ نظر نہیں آتا۔ تاوقتیکہ فریقین جذبات چھوڑ کر منقعہ طور پر تدبر اور عمیق بصیرت سے کام لیکر

اس کا صحیح حل تلاش نہ کریں۔ دونوں جانب افراط و تفریط ہے اور راہ اعتدال گم ہے لیکن تعلیم قدیم کے ارباب تحقیق میں صاحب اعتدال کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن تعلیم جدید والوں میں بہت کم ہیں۔ بلکہ نایاب ہیں۔ یہ بے راہ روی ملت اسلام کے لئے زہر قاتل ہیں۔ استعماری قوتوں کے لئے مفید ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس جنگ سے مسلمان کمزور ہو کر استعماری قوتوں کے زیر اثر آجائیں گے اور مسلمانوں کے پاس مادی قوت تو مقابلتہً کم ہے۔ جو کچھ ہے وہ ان کی دینی و روحانی قوت ہے۔ اس جنگ سے وہ بھی کمزور ہو جائیگی اور مسلمان استعماری قوتوں کے لئے لقمۂ تر بن جائیں گے۔

قدیم اور جدید کی کش مکش کا اصل حل

اصل حل کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں طبقے اپنے ذہن میں کچھ تبدیلی پیدا کریں۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تقلید مغرب کے جذبے سے ہٹ کر عقل و بصیرت سے کام لے کر تنقید مغرب کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے اور اصل اسلام کی تحریف کو چھوڑ کر تحقیق کی راہ اختیار کرے۔ اور اسلام کو دشمنان اسلام کی تحریروں سے حاصل کرنے کی بجائے اگر ممکن ہو تو خود اس انداز میں اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ خود اسلام کیا کہتا ہے اور کیا مطالبہ کرتا ہے۔ اس طرح نہ ہو کہ پہلے خود مغربی افکار کے اثر سے اپنے ذہن میں ایک رائے قائم کی جائے اور پھر اسلام کو توڑ موڑ کر اسکے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور اگر وہ مغربی فکر کی ٹھہرائی ہوئی رائے کے مطابق بننے کے لئے تیار نہ ہو تو پھر یا تو تاویل کے پردے میں اصل اسلام سے انکار کی راہ اختیار کی جائے یا اسلام کے ابدی دین ہونے کی حیثیت سے انکار کرکے اس کو وقتی قانون قرار دینے کی سعی کی جائے۔ اور اسلام کے چودہ سو سالہ عملی اور خارجی وجود کو جس کا تانا بانا ان ہستیوں کے علم و تقویٰ اور مجاہدانہ کارناموں سے بنا ہے کہ ان کا ایک ایک فرد اور اس کی عظمت چند مغرب پرستوں پر کیا بلکہ پورے اہل مغرب پر بھاری ہے۔ اور ایسی کروڑوں عظیم ہستیوں کا سمجھا ہوا اسلام جس کے نتیجہ میں اسلام نے مراکش سے انڈونیشیا اور دیوار چین تک کی ظلمتوں کو کافور کرکے اپنی روشنی پھیلائی غلط سمجھا جائے۔ اور اس کے مقابلہ میں چودہ سو سال کے بعد چند مغرب زدہ مسٹروں نے دشمنان اسلام سے تعلیم پاکر صحیح اسلام معلوم کرلیا۔ جو قبل ازیں چودہ سو سال میں کہیں بھی موجود نہ تھا۔ میں حیران ہوں کہ اگر مغرب جو حالت نزع میں ہے، اپنی تہذیب

اور اس کے لوازمات کے ساتھ بیڈ روم کے طوفان فنا میں غرق ہو جائے اور ایک نیا تمدن اور نئی تہذیب پیدا ہو جائے۔ جو مغربی تہذیب سے یکسر مختلف ہو۔ تو یہ حضرات اپنے تحریفی عمل سے اپنی سابق تحریفات اور کارروائیوں پر خط تنسیخ کھینچیں گے یا اسلام کو دوسری تحریف کرکے بازیچۂ اطفال بنادیں گے۔ [ه]

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق
(اقبالؒ)

قدیم تعلیم یافتہ طبقہ میں جو حقیقی علماء ہیں۔ ان میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بدگمانی چھوڑ کر ان سے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ نہ اس لئے کہ حقیقی اسلام کا فہم اُن کا ٹھیک ہے کیونکہ اسلام میں برہمنیت اور پاپائیت کا وجود نہیں کہ یہ دونوں نسلی نظریئے ہیں اور اسلام ان کا قائل نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ ہر فن کے لئے معیاری قابلیت کا وجود ضروری ہے جو قدیم طبقے کے پاس ہے۔ اور جدید کے پاس نہیں۔ لہٰذا دونوں طبقوں کے ممتاز حضرات بیٹھ کر اس امر کی تحقیق کریں کہ یورپ کے پاس جو کچھ ہے۔ ان میں سے اسباب ترقی کی کونسی چیزیں ہیں۔ اور جو چیزیں ترقی سے تعلق نہیں رکھتیں اور اسلامی روح کے لئے مضر ہیں وہ کونسی ہیں؟ اور جو ترقی سے غیر متعلق ہیں لیکن مباح ہیں وہ کونسی ہیں؟ اس طرح تینوں قسم کی اشیاء کی فہرستیں تیار ہوں گی۔

۱۔ ترقی سے متعلق اشیاء
۲۔ ترقی سے غیر متعلق اشیاء ممنوعہ
۳۔ ترقی سے غیر متعلق اشیاء جو مباح ہیں۔

میں نے "ترقی اور اسلام" کے موضوع پر جو کتاب لکھی ہے اس کے مطالعہ سے واضح ہوگا کہ یورپ کے پاس اسباب ترقی میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں جس کا اسلام نے اور قرآن نے چودہ سو سال پہلے حکم نہ دیا ہو۔ اس لئے مغرب زدہ طبقے کا یہ کہنا کہ اسلام

ه حرم مغرب

ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ یہ ہم مغربیت کو ترقی کے لئے اختیار کر رہے ہیں۔ ایسا غلط اور بے اصل دعویٰ ہے جیسے "دو دُونے پانچ" اس لئے ترقی کے لئے پرانے اسلام کی تحریف کی قطعاً ضرورت نہیں اور نہ یورپی اسلام بنانے کی حاجت ہے، بلکہ اسی اصل اسلام کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ تاکہ مادی اسباب کے ساتھ روحانی جوشِ عمل اور اولوالعزمی ملت میں پیدا ہو۔ اور غیر مسلم ممالک سے درآمد کردہ نظریات سرمایہ داری، سود خوری، صنفی آوارگی، اخلاق کش طرزِ معاشرت، اشتراکیت، خدا بیزاری اور روحانی اقدار کی تباہی سے ملت کو محفوظ کیا جائے اور بے راہ روی اور انتشار ان کی وحدتِ فکر و عمل کو پارہ پارہ نہ کر دے۔

دوسری قسم کی چیزیں جو یورپ کے وہ اجزاءِ تہذیب ہیں، جن کا تعلق ترقی سے نہیں بلکہ اسلام اور حقیقی ترقی کے لئے مضر ہیں۔ ان کو اسلامی ممالک اپنی تہذیب میں سے خارج کرنے کے لئے جہاد کریں۔ اور تیسری قسم جو ترقی سے اگرچہ متعلق نہیں، لیکن اسلام میں مباح ہیں۔ ان کو اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ اس مشترکہ تحقیق کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ ہم کو یورپ کی گناہگاری کو جو ترقی کے لئے مضر ہے، ترک کرنا پڑے گا۔ اور ان کی صنعت کاری کو جو ترقی میں موثر ہے اپنانا ہوگا کہ اس کا حکم تو خود قرآن نے دیا ہے۔ "واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ" ایسی اشیاء کہ جن سے مسلمان طاقتور بن سکتے ہیں۔ جیسے یورپ کے ٹیکنیکل علوم و فنون ان کو حاصل کرنا مسلمانوں پر اپنی طاقت کی آخری حد تک فرض ہے۔ اگر اقبال مرحوم کے صرف اس کلام کو مدِنظر رکھا جائے تو بھی جدید و قدیم کی جنگ ختم ہو سکتی ہے

قوتِ مغرب نہ از چنگ و رباب — نے ز رقصِ دخترانِ بے حجاب
نے ز سحرِ ساحرانِ لالہ رو است — نے ز عریاں ساق و نے از قطعِ مو است
محکمی او را نہ از لا دینی است — نہ فروغش از خطِ لاطینی است
قوتِ افرنگ از علم و فن است — از ہمیں آتش چراغش روشن است

افسوس ہے کہ ہم نے جدید ایجادات کا نہ کوئی قابلِ ذکر سائنسداں پیدا کیا، نہ یورپ کی طرح اسلحہ ساز کارخانے بنائے، نہ کوئی مشہور فلسفی اور نہ کوئی ماہر پیدا کیا، ہماری ساری قوت تحریفِ دین اور قدیم و جدید کی جنگ پر صرف ہو رہی ہے۔ اور یورپ کے صنعت و ہنر کی جگہ یورپ کی گناہگارانہ تہذیب کو جزوِ زندگی بنانے کی کوشش پر، اور اسی کو معراجِ ترقی

سمجھ رہے ہیں۔ بہرحال اگر بیرونی ممالک کی تعلیم اس شکل میں حاصل کی جائے کہ وہاں کے وہ علوم جو کہ فی الواقع ترقی میں دخل ہے ان میں مہارت پیدا کی جائے، لیکن اُن کے الحادی اور تشکیکی فلسفہ حیات سے پرہیز کیا جائے تو قوم روحانی اور مادی دونوں قوتوں سے بہرہ ور ہوگی۔ ہم اگر مادی علوم میں کتنی بھی کوشش کریں پھر بھی یورپ کی نسبت ان علوم میں ہماری حیثیت ثانوی ہوگی۔ لیکن اگر ہمارا دینی اور روحانی جذبہ محفوظ رہے، بلکہ اس میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں تو مادی پہلو کی جو کمزوری ہے، اس کا تدارک ہمارے روحانی جذبہ کی قوت سے ہو جائے گا۔ اور ہم اپنے اسلاف کی طرح اپنی کمزور مادی قوت اور فائق روحانی جذبہ خلاقی قوت سے اپنے سے بڑی مادی قوت کو شکست دے سکیں گے۔ جیسے ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ ہم نے محض ایمانی قوت کے بل بوتے پر اپنے سے فائق تر مادی قوت رکھنے والے ملک بھارت کو شکست دی لیکن اگر ہم ایک طرف مادی قوت میں بھی کمزور رہے اور دوسری طرف یورپ کے ملحدانہ افکار اور اشتراکیت کے ایمان سوز نظریات نے ہماری رہی سہی ایمانی قوت کو بھی کمزور کر دیا۔ تو اس وقت پاکستان کی حفاظت کس چیز سے ہوگی۔ بالخصوص جب کہ پاکستانی ملت کو انتشار سے بچانے کے لئے واحد ذریعہ صرف اسلام ہے۔

اسلامی وحدت

نہ صرف پاکستان بلکہ تمام مسلمان مملکتوں کی حیات و ترقی اور حفاظت کا راز بھی اسلامی بلاک کے قیام میں مضمر ہے۔ اگر امریکہ کی موجودہ شکل میں وہاں کی تقریباً پچاس ریاستوں کا اتحاد ہو سکتا ہے، سوویٹ یونین کی شکل میں تقریباً پندرہ ریاستوں کی متحدہ قوت بن سکتی ہے اور دولتِ مشترکہ کے تحت سات آٹھ حکومتیں باوجود تہذیبی، مذہبی، علاقائی اور نسلی اختلافات رکھنے کے ایک "دولتِ مشترکہ" کی تنظیم میں آ سکتی ہیں۔ تو تمام ممالکِ اسلامی جن میں دینی، مذہبی اور تاریخی اسبابِ وحدت موجود ہیں اور زمانۂ سابق میں ایک اسلامی حکومت (خلافت) کی وحدت سے منسلک بھی رہے ہیں کیا ان کی یونین یا دولتِ مشترکہ کا بن جانا ناممکن ہے جبکہ ان میں بہت بڑی حد تک جغرافیائی اتصال بھی ہے۔ اگر مسلمانوں نے زمانے کے انقلابات سے سبق سیکھ لیا اور یہ وحدت قائم ہو گئی جس میں قدرتی طور پر تمام ممالک آزاد ہوں اور بتدریج امورِ خارجہ، دفاع، نصابِ تعلیم، قانون، تجارت اور اسلامی اصولوں پر مشترکہ بنک جیسے امور میں اپنے آپ کو ایک مرکزی قوت سے منسلک کر لیں تو یہ اسلامی یونین

تمام عالمی قوتوں میں اول نمبر کی قوت بن جائے گی اور عالمی امور میں اس کی رائے فیصلہ کن ہوگی اور ان ممالک کے تمام مصائب کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بلکہ مغربی اور مشرقی بلاک کے تصادم اور تباہ کن جنگ کو روکنے اور امن عالم قائم کرنے میں یہ ایک موثر قوت ثابت ہوگی جیسا کہ اس کی دلیل عالمی اعداد ہیں۔

قوت کی پہلی چیز عددی برتری ہے۔ روزنامہ کوہستان ۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ء کی رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی عالمی تعداد ۹۵ کروڑ اور ایک ارب کے درمیان ہے۔ عیسائیوں کی کی صحیح اصل تعداد پورے عالم میں ۵۲ کروڑ ہے۔ کنفوشس مت جو حکمران چین کا مذہب ہے جس کی تعداد ۳۶ کروڑ۔ شنتو مت جو جاپانی حکمرانوں کا مذہب ہے جس کی تعداد ۵ کروڑ، بدھ مت کے پیروؤں کی ۱۵ کروڑ، ہندو بشمول اچھوت کی اصلی تعداد ۲۸ کروڑ۔

(دیکھو مذاہب عالم از محمد عبد اللہ مسعودی)

دوسری چیز رقبہ ہے۔ دنیا کا کل رقبہ تقریباً ۱۴ کروڑ مربع میل ہے جس میں ۴۲ فیصد پر اہل اسلام کا قبضہ ہے اور باقی میں سب مذاہب شریک ہیں۔

تیسری چیز پٹرول ہے۔ روس میں پٹرول کی پیداوار تین کروڑ ٹن۔ یورپ میں دس لاکھ ٹن اور قریباً ۱۴ کروڑ ۳۰ لاکھ ٹن امریکہ کا کل عالمی پیداوار کا ۱۵ فی صد روس وچین کا دس فی صد اور مشرق وسطی کا ۷۰ فیصد عالمی پیداوار کا ہے)

(نوائے وقت ۲۰ اپریل ۱۹۶۶ء)

اگر مشرق وسطی کا تیل بند ہو جائے تو پورا عالمی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ یہی راز ہے کہ غیر مسلم اقوام سر توڑ کوشش کرتی ہیں کہ عالم اسلام متحد نہ ہونے پائے۔ خود عرب کا حال دیکھو۔ کہیں دشمن قومیں ان میں قومیت کا جذبہ انتشار پیدا کرنے کے لئے ابھارتی ہیں اور کہیں اسلام دشمنی کے باوجود اسلامی ممالک میں علاقائی تہذیبوں کو زندہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ اسلام سے ان کی رابطہ کو پرانی تہذیبوں کے بت کے ذریعہ ختم کیا جائے۔

اب عالم اسلام کا فرض ہے کہ ان باتوں میں غور کریں ہم نے تنگ وقت میں صرف مختصر سا خاکہ پیش کیا۔ جس پر اہل نظر غور کریں۔

مکتبہ [illegible] بہاولپور

چوں گہر در رشتۂ او سفتہ شو
ورنہ مانند غبار آشفتہ شو

اسلامی یونین

امریکہ کی پچاس ریاستیں ایک وحدت ہے۔ روس کی تقریباً بائیس ریاستیں سوویٹ یونین کی شکل میں ایک وحدت ہے۔ دولت مشترکہ برطانیہ تقریباً آٹھ حکومتوں کی ایک وحدت بنی ہوئی ہے۔ حالانکہ ان میں مذہبی نسل اور جغرافیائی اختلاف بھی ہے تو کیا مسلمانان ایشیاء و افریقہ وغیرہ تقریباً چھوٹی بڑی ریاستیں ایک اسلامی یونین نہیں بن سکتیں؟ اگر بن گئی تو یہ امن عالم کے لئے بھی ایک بے مثال طاقت ہوگی اور عالم اسلام کے تمام مسائل بلا جنگ و خونریزی کے حل ہو جائیں گے۔ قوت کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہے وہ اس مجوزہ اسلامی یونین کے مقابلے میں کسی حکومت کو دنیا میں حاصل نہیں۔ صرف وحدت اور تنظیم کا انتظار ہے۔

مسلمانوں کی عددی قوت

سب سے پہلے تعدادی برتری ہے مسلمانوں کو اب تک اپنی صحیح تعداد کا پتہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہ اعداد و شمار یورپی ذرائع سے حاصل کرتے تھے جو مصنوعی طور پر کم سے کم تعداد بتلاتے تھے تاکہ کہیں مسلمان اپنی عددی اکثریت معلوم کرکے بیدار نہ ہو جائے۔ سب سے پہلے مسلمانوں کی صحیح تعداد معلوم کرنے کی کوشش امیر شکیب ارسلان نے کی اور مذاہب عالم میں عبد اللہ مسعودی نے کی۔ کوہستان کی رپورٹ ۲۰ دسمبر ۱۹۶۵ کے مطابق مسلمانوں کی تعداد ۹۵ کروڑ ہے اور عیسائیوں کی اصل تعداد مذاہب عالم کی تحریر کے مطابق ۵۲ کروڑ ہے۔ کنفوشس مت جو حکمران چین کا مذہب ہے ان کی تعداد ۳۶ کروڑ۔ شنتو مت جو حکمران جاپان کا مذہب ہے ۵ کروڑ۔ بدھ مت کی تعداد ۱۵ کروڑ، اصلی ہندوؤں کی تعداد ۲۸ کروڑ۔ سکھ ۹۳ لاکھ یہود کی کل عالمی تعداد ڈیڑھ کروڑ ہے۔

(مذاہب عالم۔ مسعودی)

اس موازنہ سے آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانوں کی عددی قوت کیا ہے اور صرف عددی قوت کی وجہ سے روس امریکہ بھارت کو پاکستان پر ترجیح دیتے ہیں کہ بھارت کی آبادی ۴۵ کروڑ اور پاکستان کی ۱۱ کروڑ ہے۔ لیکن وہ صرف تعداد کو دیکھتے ہیں چاہے ۱۱ کروڑ شیر ہوں اور ۴۵ کروڑ گیدڑ۔

پٹرول اور تیل کی قوت کل دنیا کے تیل کا ۵۰ فی صد صرف مشرق وسطیٰ میں پیدا ہوتا ہے جو اسلامی ممالک ہیں۔ اگر یہ تیل یورپ اور امریکہ یا دیگر ملکوں کو نہ دیا جائے تو وہ نہ لڑائی لڑ سکیں گے اور نہ کارخانے چلا سکیں گے۔ اسی لئے سب کی مشرق وسطیٰ پر نظریں لگی ہوئی ہیں اور اسی کے لئے اسرائیل کو آلۂ کار بنایا گیا ہے۔

رقبہ کے لحاظ سے تفوق تیسری چیز زمین کا رقبہ ہے۔ کل دنیا کا رقبہ ۱۳ کروڑ مربع میل ہے جس میں ۴۴ فی صد پر مسلمانوں کا قبضہ ہے، باقی میں تمام اقوام شریک ہیں۔

چوتھی چیز ربڑ ہے جو مواصلات کے لئے نہایت ضروری ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ ربڑ انڈونیشیا اور ملایا میں پیدا ہوتا ہے جو اسلامی ممالک ہیں۔

جغرافیائی اتصال یہ عجیب بات ہے کہ اسلامی مجوزہ یونین کے تمام اسلامی حلقوں میں پاکستان سے لے کر ترکی اور مراکش تک جغرافیائی اتصال ہے۔ البتہ دلوں کا اتصال باقی ہے جس کا واحد ذریعہ اسلامی تعلیم اور جذبۂ اسلام کو فروغ دینا ہے۔

جذبۂ شجاعت وجفاکشی جس رقبہ میں اسلامی اقوام آباد ہیں ان میں سب اقوام کی نسبت جذبۂ شجاعت وجفاکشی زیادہ موجود ہے جو ایک ملت کی قوت اور غلبہ کے لئے سب سے زیادہ فیصلہ کن معنوی طاقت ہے۔

دین حق کا جذبۂ توحید جنگ میں فیصلہ کن جذبۂ دین پر مبنی ہے بالخصوص جب کہ وہ دین حق ہو اور اس میں توحید کی حقیقی اسپرٹ موجود ہو کہ اسباب کے علاوہ ان کو یہ یقین ہو کہ فتح خالق کائنات کی امداد پر موقوف ہے۔ جس کی تمام علوی وسفلی نصرتیں اہل حق کے ساتھ ہوتی ہیں چاہے ان کی تعداد اور سامان جنگ دشمن سے کم ہو۔ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۔ اکثر چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر میدان جنگ میں غالب آتی ہے اگر اللہ کی مشیت ان کے ساتھ ہو پھر جہاد کا یہ جذبہ کہ اسلام

کے لئے جہاد بہرحال کامیابی ہے یا فتح ہوگی یا حیات فانی کو حیات اعلیٰ میں تبدیل کرنا ہوگا۔ اگر شہادت نصیب ہوئی یہ جذبہ اسلامی لشکر کے ہر فرد کو موت سے بےخوف کر دیتا ہے بلکہ موت محبوب بن جاتی ہے اور دشمن کے پہاڑ کی برابر قوت سے ٹکرا لینے میں بےباک ہو کر لذت محسوس کرتا ہے ؎

عاشقی ترجیح مابر دل زدن　　　دانگہے خود را بہر مشکل زدن
اگر بیٹے نداری بحر صحر است　　　وگر ترسی بہر موجش نہنگ است

اس دینی جذبہ کی وجہ سے اسباب اور مسبب الاسباب دونوں کی قوتیں یکجا ہی میں جمع ہوں گی جس کے سامنے صرف اسباب پر بھروسہ کرنے والی قوم نہیں ٹھہر سکے گی۔

ماضی کی شاندار تاریخ ایک قوم میں زندگی اور جوش عمل پیدا کرنے والی چیز اس قوم کی سابق تاریخ ہوتی ہے۔ کیونکہ تاریخ سے قوم کی زندگی بنتی ہے۔ اسلام کی سابق تاریخ جانفروشی اور قربانی کی ایک بےمثال تاریخ ہے جو کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں۔ اگر اہل اسلام کو اپنے ماضی کی تاریخ سے مربوط کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک مجاہد اسلام ہائیڈروجن بم بن جائے گا۔ جیسے ماضی کی تاریخ کا ایک ایک واقعہ اس پر گواہ ہے ؎

جو دیکھی ہسٹری اس بات پر کامل یقیں آیا
جسے مرنا نہیں آیا اُسے جینا نہیں آیا

ملت اسلامیہ میں بحمد للہ بے مثال قوت بن جانے کے لئے یہ آٹھ اسباب موجود ہیں جو دنیا کی کسی قوم کو حاصل نہیں لیکن اس قوت کو ہمارے انتشار اور لامرکزیت نے تباہ کر دیا ہے۔ اگر ایک بار اسلامی یونین کی شکل میں یہ قوت منظم ہو جائے تو روس چین امریکہ اور یورپ کے فیصلوں کی باگ ڈور اسی یونین کے ہاتھوں ہوگی۔ اب ہم اسلامی یونین کا مختصر خاکہ پیش کرتے ہیں جو عالم اسلام کے تمام مسائل کا واحد حل ہے۔ خواہ وہ کشمیر کا مسئلہ ہو یا قبرص کا، عرب اسرائیل کا مسئلہ ہو یا نائجیریا کا جس کا نقشہ حسب ذیل ہے:

(۱) مرکزیت تمام اسلامی مملکتیں خواہ ان کا نظام جمہوری ہو یا شاہی پھر مغربی جمہوریت ہو یا کسی دوسری قسم کی جمہوریت نظام پارلیمانی ہو یا

صدارتی وہ ایک مشترک پارلیمنٹ سے منسلک ہو جائیں جن میں ہر مملکت سے حسب تعداد مملکت نمائندے منتخب کئے جائیں لیکن نمائندوں میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے کہ ان میں حسب ذیل صفات ملحوظ ہوں :-

۱۔ اسلام پر پختہ یقین۔

۲۔ جرأت و شجاعت و تدبر۔

۳۔ عاقبت اندیشی اور سیاسی فہم۔

۴۔ حرص مال وجاہ اور ذاتی مفاد اور خود غرضی سے پاک ہونا۔

۵۔ اسلام کے ضروری فہم اور دور حاضر کے سب گمراہیوں کے ہتھکنڈوں اور نفاق سے باخبر ہونا۔

۶۔ اسلامی اعمال کی پابندی

ان تمام اسلامی دول کا مندرجہ ذیل امور میں اشتراک ضروری ہے

(۱) امور خارجہ مشترک ہوں ایک کا دوست سب کا دوست اور ایک کا دشمن سب کا دشمن ہو۔

(۲) دفاع اور دفاع سے متعلق کارخانے مشترک سرمایہ سے بنائے جائیں۔

(۳) صنعت مشترک، ایسی صنعت جس کے لئے ایک مملکت کا سرمایہ کافی نہ ہو یا خام مواد میسر نہ ہو، ان میں مشترک تعاون سے کام کیا جائے۔

(۴) تجارت، مصنوعات اور خام اشیاء کا تبادلہ حتی الامکان اسلامی یونین کے دائرہ میں ہو اور بتدریج اپنے آپ کو اس قابل بنائیں کہ بیرونی درآمد کردہ اشیاء سے بے نیازی ہو سکے۔

(۵) اسلامی اصولوں کے تحت یونین سے متعلق اسلامی ممالک کی مشترک بینک ہو اور بلا ضرورت غیر ممالک میں سرمایہ نہ رکھا جائے۔

۶۔ نصاب تعلیم میں کافی حد تک یکسانیت ہو۔

۷۔ عدالتی قانون سب ممالک اسلامیہ کا ایک ہو۔

۸۔ اگر ممکن ہو سکے تو اسلامی ممالک کی یونین کی سرکاری زبان بھی ایک ہو، اور موزوں یہ ہے کہ وہ عربی زبان ہو۔

۹۔ کوشش کی جائے کہ تبلیغ کی آزادی کے باوجود ایسی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے جو یونین کے بنیادی مقاصد سے متصادم ہوں۔

تمت بالخیر

مکتبہ شمس الحق افغانی بہاولپور

مکتبہ شمس الحق افغانی بہاولپور